نیلیما
آدی واسی سماج پر مبنی ناول
ڈاکٹر شفقؔ سوپوری

نیلیما

ڈاکٹر شفقؔ سوپوری

آدی واسی سماج پر مبنی ناول

نیلما

طبع سوم

شفقؔ سوپوری

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

NELEEMA
(Novel)

by
Dr. Shafaq Sopori
1/101, Highland Enclave, Gogo, Humhama,
Near International Airport, Budgam 900021
Contact No: 09419001693, 07006828727
E-mail : drshafaqsopori333@gmail.com

Year of IIIrd Edition 2020
ISBN 978-93-5073-748-4
₹ 200/-

نام کتاب : نیلیما
مصنف : ڈاکٹر شفق سوپوری
سالِ اشاعت سوم : ۲۰۲۰ء
سرورق : مصنف
قیمت : ۲۰۰ روپے
تعداد : ۵۰۰
کمپیوٹر کمپوزنگ : مصنف
مطبع : روشان پرنٹرس، دہلی۔۶

Published by
EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
H.o. D1/16, Ansari Road, Darya Ganj, New Delhi-110002(INDIA)
B.o.3191,Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6(INDIA)
Ph : 45678285, 45678286, 23216162, 23214465, Fax : 0091-11-23211540
E-mail: info@ephbooks.com,ephindia@gmail.com
website: www.ephbooks.com

''اور بندگی کرو اللہ کی، نہ شریک بناؤ اس کا ذرا بھی، اور اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، رشتہ دار ہمسایوں، بے گانہ ہمسایوں، پاس کے اٹھنے بیٹھنے والوں، مسافروں اور اپنے غلاموں سے حسنِ سلوک کرو''۔ (القرآن)

"There is no God". They say, "No truth, no spiritual law, no moral order. The basic of life is sex; what else can it be?" Holding such distorted views, possessing scant discrimination, they become enemies of the world, causing suffering and distruction." (Bhagavad Gita) Eknath Easwarn Jaico Publishing House 2013

گھریلو ذمہ داریوں کو فراموش کرنے والے، بزرگوں کی بے حرمتی کرنے والے، ہوس کے مطابق روایتوں اور رسموں کو مسخ کرنے والے، اپنے تن کا غلط استعمال کرنے والے، تن کی پاکیزگی قائم نہ رکھنے والے، سماجی رشتوں میں دھاندلی کرنے والے، خاندانی رشتوں اور رسموں کو پامال کرنے والے، آپسی ذمہ داریوں کو نہ سمجھنے والے، ایک دوسرے کی بے عزتی کرنے والے، نرک میں جائیں گے۔ (ماخوذ از:

The Classical Hindu Mythology (A Reader in the Sanskrit Purans) Edited and Translated by: CORNELIA DIMMITT and J.A.B VAN Buitene Rupa and Co, Temple University Press (1983)

اس ناول کے سبھی کردار، واقعات اور مقامات تخیلی ہیں۔ کسی بھی قسم کی مماثلت محض اتفاق ہو سکتا ہے جس کے لئے مصنف پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی۔

(مصنف)

ہمارے گھر ''دھانی'' کے چراغِ خانہ

سیّد محمد سبزان ختائی

اور

ریحانہ اختر کے نام
جس سے اس گھر کی رونق قائم ہے۔

استحسان

شمس الرحمٰن فاروقی

نیلیما کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ قبائلی عورتوں کی زندگی کا نہایت حقیقت پسندانہ مطالعہ ہے۔ لیکن میں اس سے بڑھ کر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ ناول عورت اور خاص کر ہندوستانی عورت کی دردناک اور بظاہر ناقابلِ اصلاح حالت کا آئینہ ہے۔ شفیق سوپوری نے اس چھوٹے سے ناول میں کئی عورتوں کا ذکر کیا ہے لیکن سب کی تصویر کشی ایک حد تک مختلف اور ایک حد تک مماثل ہے۔ سب کردار یاد رہ جاتے ہیں اور یہ ناول نگار کی بہت بڑی کامیابی ہے۔

پروفیسر ابوالکلام قاسمی

فکشن لکھنے والے ناول اور افسانے تو لکھتے ہی رہتے ہیں مگر جب ایک معروف شاعر، شاعری کے ساتھ ناول کی صنف میں بھی طبع آزمائی کرنے کی کوشش کرے تو سمجھنا چاہیے کہ:

"کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لئے"

کا مرحلہ درپیش ہے۔ شفیق سوپوری کے ناول "نیلیما" کے مطالعہ اور تفہیم کے لئے اس پسِ منظر کو نظر انداز نہیں کی جا سکتا۔ ایسا لگتا ہے شاعری جس

طرح زمان و مکان کی حد بندیوں سے بلند ہونے کا تقاضا کرتی ہے، فکشن میں اسی شدت کے ساتھ زمانی اور زمینی حوالوں سے وابستہ ہونا لازمی ہے۔

نیلیما میں موضوع کے اعتبار سے یوں تو آدی واسی عورتوں کے مسائل کی طرف توجہ مبذول کی گئی ہے اور ان مسائل پر مبنی کہانی کو دلت ادب کے نقطۂ عروج پر پہنچانے کی کوشش ملتی ہے مگر یہ اچھوتا موضوع اس لئے اہم ہو جاتا ہے کہ شفق سوپوری نے اس ناول کی زبان میں لچک اور بیان میں جو انوکھاپن روا رکھا ہے وہ اردو کے بیشتر ناولوں میں ناپید ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ معاصر ناولوں کے مقابلے میں نیلیما جیسا ناول مختصر ہونے کے باوجود قاری کے ذہن پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ شفق سوپوری جہاں اپنی شاعری میں بعض ماورائی کیفیات سے گزرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں وہیں وہ اپنے ناول میں حد درجہ حقیقت پسند اور حقیقت نگار بن جاتے ہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ حقیقت پسندی اگر جمالیاتی تجربے کا روپ اختیا کرے تو صحیح معنوں میں کوئی اہم اور غیر معمولی ادبی شہ پارہ وجود میں آتا ہے۔

میرا اندازہ ہے کہ نیلیما اپنے موضوع، اپنے برتاؤ اور اپنے بیانیہ کی تکنیک کے باعث اردو ناولوں کی بھیڑ میں اپنی انفرادیت ضرور منواتا رہے گا۔

محمد حمید شاہد

''نیلیما'' آدی واسی سماج کے حوالے سے لکھا گیا ناول ہے۔ پانچ ابواب پر مشتمل یہ ناول معاشرے کے ایک گرے پڑے کردار نیلیما کے گرد

گھومتا ہے اور اس کے وسیلے سے آدی واسی سماج کی زندگیوں کے کرب سامنے لاتا ہے۔ ناول کا بیانیہ بہت جاندار ہے۔ ناول کا موضوع اگرچہ نیلیما کی زندگی بنی ہے تاہم یہی زندگی مردوں کے معاشرے میں عورت کی ذلت اور رسوائی کی تصویر بھی دکھادیتی ہے۔ ایسا صرف مرکزی کرداروں کے باب میں نہیں ہوا، کانتا دیوی، سمن اور نرملا جیسی عورتوں کے ضمنی کردار بھی اپنے حصّے کی ذلتیں اٹھا رہے ہوتے ہیں۔ شفقؔ سوپوری شاعر بھی ہیں۔ تاہم اس ناول میں انہوں نے خالص فکشن کا بیانیہ برتا ہے جو بجائے خود اہم بات ہے۔

پروفیسر قدوس جاوید

شفقؔ سوپوری بے شک ایک اہم ترین شاعر ہیں لیکن شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک محقق، نقاد، کالم نویس، فیچر نگار اور طنز و مزاح نگار بھی ہیں۔ یعنی شفقؔ سوپوری ایک ہمہ جہت تخلیقی فنکار ہیں جن کا قلم شاعری اور نثر دونوں میدانوں میں یکساں طور پر کمال خوبیوں کے ساتھ چلتا ہے۔ اور اب یہ ناول لکھ کر وہ اُردو کے فکشن نگاروں کی صف میں بھی شامل ہو گئے۔

اُردو میں اب تک دِلت افسانے لکھے گئے ہیں۔ سماج کے پچھڑے اور پسماندہ طبقوں کی زندگی کو کئی ناول نگاروں نے موضوع بنایا ہے، مثلاً الیاس احمد گدی نے اپنے ناول ''فائیر ایریا'' میں اور غضنفر نے اپنے ناول ''دِویہ بانی'' میں نچلے طبقوں کے استحصال کی کہانیاں پیش کی ہیں، لیکن آج تک کسی نے آدی واسی سماج اور ثقافت کو اپنے فکشن کا موضوع نہیں بنایا ہے۔ اس

اعتبار سے شفق سوپوری کا ناول اردو کا پہلا ناول ہے جس میں آدی واسی عورتوں کے جنسی استحصال کو آدی واسی سماج اور تہذیب کے حوالے سے پیش کیا گیا ہے۔ یہ ناول سچے کرداروں اور اُن سے متعلق واقعات اور سانحات پر مبنی ہے۔ اس ناول کے سبھی کردار چاہے وہ نیلیما ہو یا دھنی رام، سچے کردار ہیں۔ اسی طرح اس ناول کے گاؤں اور قصبے بھی حقیقی ہیں۔ لیکن شفق سوپوری نے انہیں علامتی اور استعاراتی سانچوں میں اس طرح ڈھالا ہے کہ نیرج پور کی آدی واسی عورتوں کا المیہ دنیا کے کسی بھی پسماندہ علاقے کی غیر تعلیم یافتہ عورتوں کے المیے کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔

نیلیما جیسی عورتیں دنیا کے اکثر و بیشتر ممالک میں مل جائیں گی جن کا Male Dominated Society میں نہ صرف جنسی استحصال ہوتا ہے بلکہ انہیں جانوروں سے بدتر زندگی گذارنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔ شفق سوپوری کی ساری ہمدردیاں ان آدی واسی عورتوں کے ساتھ ہیں اور وہ چاہتے بھی ہیں کہ یہ آدی واسی عورتیں اس استحصال کے جہنم سے کسی بھی طرح سے نکل سکیں۔ اس ناول میں شفق سوپوری کی انسانیت پسندی بھی ہے اور آئیڈیلزم بھی، لیکن انہوں نے حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے یہ تاثر بھی دیا ہے کہ آدی واسی عورتیں اپنی جہالت، کم ہمتی اور سماجی اور تہذیبی جبر کی وجہ سے خود بھی اس جنسی استحصال کے جہنم سے نکلنے کی کوشش نہیں کر پاتیں۔

یہ ناول ایک Herion based ناول ہے اور فکری روّیوں کی بنا پر اسے ایک تانیثی ناول بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس ناول کی بُنت بڑی گہرائی اور مہارت

کے ساتھ کی گئی ہے۔ ناول کا پلاٹ بہت جامع اور چست ہے۔ ناول کے کرداروں کا ایک دوسرے کے ساتھ تعلق ہے، واقعات کے بیان میں تسلسل ہے، لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس ناول میں شفقؔ نے جو زبان استعمال کی ہے وہ اپنے آپ میں ایک انوکھی مثال ہے۔ جگہ جگہ دیہی اور قصباتی تہذیب، گاؤں کی سماجی وثقافتی روایات اور ہندو دیو مالا کے حوالے سے ایسے الفاظ اور تراکیب استعمال کئے گئے ہیں جن کا کوئی بدل نہیں ہوسکتا۔

صاف معلوم ہوتا ہے کہ شفقؔ سوپوری نے بڑی محنت ومشقت کے ساتھ اس ناول میں ''ہر سخن موقع و ہر نقطہ مقام دارد'' پر عمل کیا ہے۔ آدی واسی سماج میں مروج ایسے ایسے مہاورات، ضرب المثل اور تراکیب کو برتا ہے جو کم از کم اُردو میں کسی اور ناول نگار کے یہاں نظر نہیں آتا۔

ناول کے بیانیہ میں شفقؔ سوپوری نے کرداروں کے مقام اور مرتبہ نیز ان کی نفسیات کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔ اس ناول میں جہاں کہیں کردار اور واقعات کے حوالے سے ناول نگار کو اپنے دلی جذبات اور کیفیات کے اظہار کا موقع ملا ہے، انہوں نے تشبیہاتی اور استعاراتی اسلوب میں تخیل اور تصور سے کام لیتے ہوئے ''نیلیما'' جیسی آدی واسی عورتوں کے المیہ کو انتہائی پُرتاثیر اور درد انگیز بنا دیا ہے۔ خاص طور پر اس ناول کا اختتامیہ قاری کو آنکھیں نم ہونے سے روک نہیں پاتا۔

پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی

شفقؔ سوپوری کے اس نفسیاتی اور فطری جبر پر استوار ناول میں حقیقتِ

عظمی، حقیقتِ غیر معینہ ادراک اور اشیاء کے ظاہری وجود کا پھیلاؤ کسی ابہام، ایہام کے بغیر ہے۔ اس لئے تہہ داری اور نئی فکر کی جانکاری ملتی ہے۔ سوچ کی کئی تہیں ابھر کر اس ناول میں نقطۂ نظر کو آزادانہ تابع ہونے کا موقعہ دیتی ہیں جس کا لہجہ اقتصادی ہے۔ اس ناول کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے۔

رفیق راز

نیلیما پڑھ کر مجھے ذاتی طور پر محسوس ہوا کہ شفقؔ سوپوری کو ایک واقعہ نے کچھ اس طرح متاثر کیا کہ آمد کی رو میں یہ ناول ان کی نوکِ قلم سے ٹپکا۔ انہوں نے اپنے ناول کے مرکزی کردار نیلیما کے وسیلے سے آدی واسی معاشرے کے کئی غور طلب مسائل سے پردہ اٹھایا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے واقعات اور ان کے خاکے مرتب کئے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شفقؔ نے کشمیر میں رہ کر کس طرح مغربی بنگال کے آدی واسی سماج، ماحول اور گردو پیش کا مطالعہ کیا ہے؟ یہ جانتے ہوئے کہ اگر ناول نگار اس معاملے میں کوتاہی برتے گا تو اس کے لیے اپنے موضوع کے حوالے سے مناسب حالات اور واقعات اکٹھا کرنے کا عمل ناممکن ہو جاتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ دراصل شفقؔ کے اس ناول میں نیلیما کو ایک ایسی کھڑکی کی حیثیت حاصل ہے جس سے جھانک کر انہوں نے پورے آدی واسی معاشرے کی تصویر کشی کی ہے۔ اور ایک پختہ کار محقق اور ماہر سماجیات کی طرح نیلیما کے دکھ اور درد کو علامتی رنگ ڈھنگ دے کر تمام آدی

واسی عورتوں کی حالتِ زار سے پردہ اٹھایا ہے۔اس عمل میں شفق کے محسوسات اور جذبات کی شدت کی کارفرمائی کا اندازہ ناول کے مطالعہ کے دوران جگہ جگہ پر لگایا جاسکتا ہے۔ ہندوستان ۱۹۴۷ء میں آزاد ہوا۔آزادی سے اب تک ملک نے کئی میدانوں میں غیر معمولی ترقی حاصل کی مگر یہ بہت شرم کی بات ہے کہ آدی واسی جو کہ اس سرزمین کے اصلی باشندے ہیں اب بھی سیاسی، معاشی، اقتصادی اور معاشرتی سطح پر اس ترقی سے محروم ہیں، بلکہ یہ قوم اب faith crises اور identity crisis کی بھی شکار ہوگئی ہے۔اور یہ نفسیاتی مسئلہ اس قوم کو اور زیادہ دلدل میں دھکیل رہا ہے۔ یہ بات بھی ہے کہ آدی واسیوں کے بعض قبیلے جنہیں ان کے قدیم مسکن سے کسی وجہ کی بنا پر بے دخل کر کے اُن سے فطری طرز تمدن چھینا گیا ہے، جدید طرز زندگی سے آشنا ہونے کی کوشش کررہے ہیں اور اس نئی روشنی کے حصول کے لیے انہیں اپنے ماحول سے جدا ہوکر روزی روٹی کمانے کے لیے برس ہا برس تک وطن سے دور رہ کر ایک بہت بھاری قیمت چکانی پڑتی ہے۔ شفق نے بہت دردمندی سے اس نفسیاتی اور معاشرتی مسئلے کو اُجاگر کیا ہے جس کی بنیادی وجہ معاشی بدحالی ہے۔

شفق سوپوری نے کمال ہنرمندی اور فنی چابکدستی سے کام لے کر بلیغ علامتوں کے ذریعے سے یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ آدی واسی سماج میں ملکیت کا کوئی تصور نہیں۔وجہ جس کی یہ ہے کہ انہیں زمین کے مالکانہ حقوق سے محروم رکھا گیا ہے۔لہٰذا نفسیاتی طور پر آدی واسی یہ تصور کرتے ہیں کہ ان کے معاشرے میں کوئی بھی فرد کسی بھی چیز کا کلی طور پر مالک نہیں ہوسکتا۔

چنانچہ اس تصور کے نتیجے میں جو صورتحال پیدا ہوتی ہے اس کی مار عورتوں کو جھیلنا پڑتی ہے۔ کیونکہ وہ صرف اور صرف عورت پر اپنے مالکانہ حقوق کا بے رحمی سے استعمال کرتے ہیں۔ شفق کا یہ ناول نہ صرف دلت ادب میں ایک اضافے کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ تانیثی ادب میں بھی اسے ایک ممتاز مقام حاصل ہوگا۔ اس ناول کے پلاٹ کا تانا بانا اس کے مرکزی کردار ''نیلیما'' کے اردگرد بُنا گیا ہے۔ دراصل شفق نے نیلیما کو وسیلہ بنا کر آدی واسی عورتوں کے مسائل اور مصائب سے پردہ اٹھایا ہے۔ موجودہ دور کے مہذب معاشرے میں جب کہ عورت زندگی کے ہر شعبے میں برابر کی حقدار مانی جاتی ہے، آدی واسی عورتوں کو بنیادی حقوق سے نہ صرف محروم رکھا جا رہا ہے بلکہ ہر موقع پر ان کا جنسی استحصال بھی کیا جا رہا ہے۔ اس دردناک حقیقت کو بیان کرنے کے لیے شفق نے نہایت شدید جذبات نگاری سے کام لیا ہے۔ اس ناول کے کردار چاہے وہ دھنی رام ہو، راجندر ہو، لالہ لچھمن داس ہو، چندر کانت اور اس کے دوست ہوں یہاں تک کہ کم سن منوج، سب آدی واسی عورت کو جنسی خواہش پوری کرنے کا ایک آسان ذریعہ تصور کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ عورتوں کو مارنا پیٹنا، ان کے پیسے سے عیش کرنا، ان سے پیسوں کا تقاضا کرنے کے باوجود ان پر شک کرنا ــــــ ان ساری دردناک حقیقتوں سے شفق نے نہایت موثر انداز میں پردہ اٹھایا ہے۔ اس ناول کے سب زنانہ کردار کسی نہ کسی صورت میں مردوں کے استحصال کی شکار ہیں۔ چنانچہ نیلیما کے ساتھ ساتھ نرملا، سمن، کانتا دیوی اور سب سے بڑھ کر درگاماں، یہ سب کردار آدی واسی عورتوں پر

ڈھائے جانے والے مظالم کی علامتیں ہیں۔ ایک اور حقیقت جس کی طرف شفق نے اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ آدی واسی مرد جنسی معاملات میں خاندانی رشتوں کا تقدس نہیں رکھتے۔

فنی اعتبار سے یہ ناول ہر معیار پر کھرا اترتا ہے۔ اس کی کامیابی کا راز قصے کی روانی اور بیان کے اختصار میں ہے جس کے لیے شفق نے جگہ جگہ پر اشاروں اور کنایوں سے کام لیا ہے۔ شفق چاہتے تو اپنے ہنر سے قصے کو پھیلا کر ضخامت میں مزید اضافہ کر سکتے تھے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا اور پھر وہ زمانہ گیا جب ناول کی ضخامت کو معیار مانا جاتا تھا۔ اب قصے کی اہمیت اور اسلوب بیان پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ اس ناول میں ایک واضح پلاٹ ہے جس کی تعمیر کرداروں اور واقعات سے کی گئی ہے۔ شفق نے اپنے کردار اور ان سے متعلق واقعات اپنے موضوع کے حوالے سے کچھ اس طرح سے تراشے ہیں کہ ان کے مطالعہ سے آدی واسی قوم کی ایک متحرک اور مکمل تصویر سامنے آتی ہے۔ شفق کے اسلوب بیان کا کمال یہ ہے کہ اس ناول کے کردار اور واقعات کہیں بیانیہ انداز میں پیش ہوئے ہیں اور کہیں قاری خود کرداروں کے عمل اور مکالموں سے ان کی ذہنی اور نفسیاتی حالت سے واقف ہو جاتا ہے۔ قصے کے آخر پر واقعات کا منطقی اور قدرتی سلسلہ جو سارے ناول میں سرعت سے رواں دواں ہے اور قاری کے انہماک کو ایک پل کے لیے بھی ٹوٹنے نہیں دیتا، ہمیں ایک ایسے نتیجے تک پہنچا دیتا ہے جہاں ہم شفق کے نقطۂ نظر سے واقف ہو جاتے ہیں۔ نیلیما کے پلاٹ کی خوبی دراصل انتخاب پر مبنی ہے جو اس کے

کرداروں اور نفس قصہ پر اثر انداز ہے۔

اس ناول میں غضب کی منظر نگاری ہے۔ جس کے لیے شفقؔ نے موزوں ومناسب لسانی دروبست سے کام لیا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ناول نگار منظر کشی کے دوران محاکات اور جزئیات کے بیان میں اس قدر غرق ہوجاتا ہے کہ اس کا دھیان اصلی پلاٹ سے ہٹ جاتا ہے اور وہ بھول جاتا ہے کہ اس کا قاری پلاٹ سے کہیں دور جا کے بھٹک گیا ہے۔ شفقؔ کے یہاں ایسی صورتحال نہیں، وہ قصے کی ضرورت اور موقع ومحل کے پیش نظر صرف اس قدر منظر کشی سے کام لیتے ہیں جو واقعہ کے ساتھ ساتھ کردار کے جذبات کو تاثر کے ساتھ پیش کر سکے اور اس کا قاری قصے کے ساتھ ساتھ رواں دواں رہے۔ ایسی درجنوں مثالیں اس ناول سے پیش کی جاسکتی ہیں جن سے یہ بات ثابت ہوجائے گی کہ شفقؔ منظر کشی کی اہمیت کو بھی سمجھتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ہر منظر کو قصے اور کرداروں کے عمل کے دائرے میں رہنا چاہیے۔ ایک اور نمایاں خوبی جو اس ناول میں موجود ہے وہ ہے اس کا لسانی دروبست۔ شفقؔ نے بیانیہ میں جو تکنیک استعمال کی ہے اس کی مثال کشمیر کے ایک نادر فن ''ختمبند'' سے دی جاسکتی ہے۔ جو لوگ اس فن سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ کس طرح کشمیر کے ہنرمند کاریگر لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر کندہ کاری سے خوبصورت نقشے بناتے ہیں، اور پھر کمرے کی چھت کے کونوں میں بنے ہوئے سانچے میں کچھ اس طرح فٹ کرتے ہیں کہ سب ٹکڑے بنا کوئی کیل گاڑے آپس میں جڑ جاتے ہیں۔ اس روایتی فن کا ایک

خاص امتیاز یہ ہے کہ اگر کہیں سے ایک ٹکڑا بھی گر جائے تو پوری چھت درہم برہم ہو کر رہ جائے۔ کچھ اسی طرح سے اگر اس ناول کے مطالعہ کے دوران قاری سے ایک جملہ یا کسی کسی مقام پر ایک لفظ بھی چھوٹ جائے تو آخر پر وہ قصے میں کسی چیز کی کمی محسوس کرے گا۔ چنانچہ شفق نے بیانیہ میں الفاظ اور جملوں اور ان کے انسلاکات کو ایک دوسرے میں اس طرز سے پیوست کر دیا ہے کہ کہیں تزائید لفظی کا شائبہ نہیں ہوتا۔ مزید برآں اس ناول میں قصہ خطِ مستقیم کی طرح آگے بڑھتا ہے۔ اس طور پر کہ قاری کو قصے کے کسی بھی جزو کو حذف کر کے شارٹ کٹ اختیار کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

شفق نے کردار نگاری میں بھی نہایت اعلیٰ سلیقے سے کام لیا ہے۔ انہوں نے کرداروں کے ازدحام سے گریز کر کے نیلیما کو سارے واقعات کی گردش کا مرکز بنایا ہے۔ دوسرے تمام کرداروں کی حیثیت ذیلی ہے جن کی مدد سے نیلیما کی ذہنی، نفسیاتی اور جذباتی کیفیات کو ظاہر کیا گیا ہے۔ نیلیما کے سوا بشمول نرملا دیوی کوئی ایسا کردار نہیں جو قاری کی توجہ کا مرکز بنے۔

شفق بنیادی طور پر ایک شاعر ہیں۔ غزل میں ان کا ایک منفرد لہجہ اور امتیاز ہے۔ وہ غزل کی تکنیک سے بخوبی واقف ہیں۔ لفظوں کے اقتصاد کے ساتھ دو مصرعوں میں اپنے مضمون کو پیش کرنے کا فن انہیں آتا ہے۔ چنانچہ یہ تکنیک اس ناول میں ان کے بہت کام آئی ہے وہ ایسے کہ انہوں نے حتی المقدور اس ناول کو فروعات سے پاک رکھنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے مکالمے کرداروں کی نفسیات اور جذبات کی عکاسی کرتے ہوئے قصے کے

مجموعی تاثر کو اور بڑھاتے ہیں۔ آخر پر میں یہ کہوں گا کہ الفاظ کے انتخاب اور زبان کی سلاست اور روانی کو برقرار رکھنے کے سلسلے میں جو محنت و مشقت شفقؔ نے کی ہے وہ ان کی فنی دیانت اور ہوشمندی کی روشن دلیل ہے۔ انہوں نے کئی تراکیب بھی وضع کی ہیں جس کے لیے وہ مبارکبادی کے ساتھ ساتھ حوصلہ افزائی کے بھی مستحق ہیں۔

افتخار امام صدیقی

شفقؔ کا تخلیقی افق کسی آفتاب سے کم نہیں۔ اب انہوں نے بحیثیتِ ناول نگار اپنے تخلیقی دستخط کے طور پر ایک ایسے ناول کی تخلیق کی ہے جو چونکا دینے والا ہے۔

نذیر فتح پوری

وارث علوی نے کامیاب ناول کے جو محاسن بتائے ہیں ان کی خواہش کے مطابق اس ناول نے پوری آدی واسی تہذیب کی دریافت کا کام کیا ہے۔ اس کہانی کے مطالعہ سے بہت سے انکشافات ہوتے ہیں۔ صداقت کی تلاش میں یہ ناول معاون ثابت ہوتا ہے۔ ناول نگار نے اس ناول کے ذریعہ حقیقت کی تھاہ پانے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے اسے ایک کامیاب ناول کہا جاسکتا ہے۔ کاش آج وارث علوی موجود ہوتے تو نیلیما کے مطالعہ کے بعد اردو ناول کی صورتِ حال کے بارے میں ان کی رائے یقیناً بدل جاتی۔

نور شاہ

محبت، ہمدردی، قربت اور چاہت کے ان دیکھے، انجانے احساسات اور جذبات میں اس ناول کی کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔ اپنے موضوع، اسلوب، اندازِ فکر، طرزِ تحریر، زبان و بیان اور اعلیٰ کردار نگاری کے پسِ منظر میں نیلیما نہ صرف کشمیر بلکہ بیرونِ کشمیر کے اردو ناولوں میں ایک گراں قدر اور خوشگوار اضافہ ہے۔

ڈاکٹر ظفر ہاشمی

حیرت ہوتی ہے کہ کشمیر سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے کس طرح مغربی بنگال کے آدیواسیوں کی اتنی جیتی جاگتی عکاسی کر ڈالی ہے۔ ان کی منظر نگاری اور جزئیات نگاری کا جادو دیکھیں ـــــــ کرشن چندر اور احمد ندیم قاسمی جیسے عظیم فنکار جو منظر نگاری میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں کتنے پیچھے چھوٹ گئے ہیں۔ یہی شفق کا کمال ہے۔ آپ یہ ناول پڑھنا شروع کریں گے تو کب اور کہاں کی قید سے آزاد ہو کر اب اور یہیں میں کھو جائیں گے۔

ڈاکٹر ظفر سرونجی

شفق صاحب کے ہر مکالمے، ہر تحریر سے کبھی تو زندگی روشنی کی طرح پھوٹتی نظر آتی ہے اور کبھی گندے اور بدبودار مواد کی طرح لگاتار رستی۔ کبھی شیکسپیئر کے بدن کی خوشبو محسوس ہوتی ہے یا پھر منٹو کے لہجے کی کاٹ۔ جیسے

خلیل جبران کو آج کے زمانے کا لباس پہنا کر زندہ کر دیا ہو۔

خالد حسین

اس ناول میں ڈاکٹر شفق سوپوری نے جو علامتی اور استعاراتی زبان استعمال کی ہے، جن تراکیب کو برتا ہے اور جو محاورے استعمال کئے ہیں وہ اردو زبان میں کم برتے گئے ہیں۔

ڈاکٹر نذیر آزاد

ڈاکٹر شفق سوپوری کا ناول ''نیلیما'' اسی سال منظر عام پر آیا۔ اتنے قلیل عرصہ میں جس پیمانے پر اس ناول کے موضوع اور اسلوب بیان کا تذکرہ ہوا وہ اس بات کی دلیل ہے کہ اردو ادب کو کافی مدت کے بعد ایک اچھا ناول ملا ہے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ اس ناول میں چند ایسی خوبیاں مجتمع ہوئی ہیں جو اسے ایک اعلیٰ پایہ کے ادبی شاہکار کے روپ میں پیش کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر اس کا موضوع چونکا دینے والا ہے۔ اس میں ایک تخصیص کا پہلو یہ بھی ہے کہ آج تک آدی واسی سماج پر اردو میں کوئی ناول نہیں لکھا گیا ہے۔ عام لوگ آدی واسی معاشرہ اور آدی واسیوں کے طرز تمدن سے اس حد تک واقف ہیں کہ کبھی کبھار ان پر ہونے والے ظلم وستم اور تشدد کے واقعات میڈیا میں محض ایک خبر کے طور پر بیان ہوتے ہیں۔ اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف نے اپنے موضوع کے حوالے سے کافی کدوکاوش اور محنت ومشقت کی

ہوگی ۔اس کے علاوہ شفق سوپوری نے آدی واسی عورتوں پر ڈھائے جانے والے قہر وغضب کی ایک حقیقی تصویر پیش کر کے اس بات کا احساس دلایا ہے کہ اب بھی کچھ ناول نگار ہیں جو زندگی سے قریبی سروکار رکھتے ہیں ۔ چنانچہ اس ناول کے مرکزی کردار نیلیما پر جو کچھ بیت جاتی ہے اسے پڑھ کے قاری کے احساسات برانگیخت ہوجاتے ہیں۔

شفق سوپوری نے پورے قصے کو لگ بھگ سو صفحات میں سمیٹ کر نہایت صبر وضبط سے کام لے کر نفس قصہ پر اپنی پوری توجہ مرکوز کر کے قاری کو اکتاہٹ کے احساس سے نجات دلائی ہے۔ یہ بذات خود ایک کمال کی بات ہے۔اس کے لئے جو تکنیک انہوں نے بیانیہ میں استعمال کی ہے وہ اگر چہ نئی اور روایتی طرز سے ہٹ کر ہے لیکن اس کے اندر جو مقناطیسی بہاؤ ہے وہ قاری کو اپنے ساتھ بہا لے جاتا ہے،اور اس بہاؤ میں ایسے مقامات بھی آجاتے ہیں جہاں قاری کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور وہ تزکیہء نفس کے احساس سے دوچار ہوجاتا ہے۔

شفق سوپوری نے اس ناول کے کرداروں کی نفسیات کا اس گہرائی سے احاطہ کیا ہے کہ لگتا ہے وہ ان کرداروں کے بیچ میں عرصے سے ان کی اونچ نیچ کو دیکھ رہے ہیں اور انہیں بھوگ رہے ہیں۔ یہ سب کردار جیتے جاگتے انسان ہیں جن میں منفی اور مثبت دونوں پہلو موجود ہیں۔انسانی نفسیات کے مطالعہ کے حوالے سے یہ بات قابل ذکر ہے کہ شفق نے نہ صرف اپنے کرداروں کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کو نظر میں رکھا ہے بلکہ انھوں نے اپنے مرکزی کردار

نیلیما کے لئے خواب بھی تراشے ہیں اور ہالوسینیشن کے عالم میں اس سے ان وحشیوں کا قتل بھی کروایا ہے جو اس کی عصمت کو تار تار کرنا چاہتے ہیں۔

اس ناول کا ہر واقعہ اور ہر کردار چاہے وہ معاون کردار ہی کیوں نہ ہوں ایک دوسرے سے اس طرح ربط رکھتے ہیں کہ ہر واقعہ چاہے وہ درگا ماں کا ہو یا پھر بملا دیوی کا ایک دوسرے کے وجود کی وجہ بن جاتے ہیں۔ یہ کردار میکانکی طرز کے نہیں کہ واقعات کو اوپر نیچے لے جائیں اور نہ انہیں کسی خاص سچویشن کے لئے تخلیق کیا گیا ہے، بلکہ یہ اپنے وجود کے ساتھ ساتھ باقی کرداروں کے وجود کا بھی جواز فراہم کرتے ہیں۔

اس ناول کا پلاٹ نہایت جامع، چست اور کسا ہوا ہے۔ کہانی میں کسی طرح کا جھول نہیں ہے۔ قصے کو فروعات سے پاک رکھا گیا ہے۔ نیلیما کے تمام کردار نہ صرف آپس میں ہر سطح پر مربوط ہیں بلکہ وہ کہانی سے بھرپور تعلق رکھتے ہیں اور قصہ کو اپنی اپنی حیثیت میں آگے بڑھاتے ہیں۔

ہمارے بعض ناولوں کی زبان اس قدر گنجلک ہوتی ہے کہ قاری اوب کر مطالعہ سے گریز کرتا ہے۔ نیلیما کی زبان کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ شفق سوپوری نے جملوں کی ساخت میں الفاظ کی جمالیات کا پورا خیال رکھا ہے، اور مکالموں میں جگہ جگہ پر کرداروں کی نفسیات کے پیشِ نظر ایسی زبان کا استعمال کیا ہے کہ قاری ایکٹ کا ایک حصہ بن جاتا ہے۔ زبان و بیان کے اعتبار سے یہ پورا ناول ایک مربوط اور مسلسل نظم کی طرح پھیلا ہوا ہے۔ الفاظ اور جملوں کی ساخت اور در و بست اس قدر دلنشیں ہے کہ قاری اس کے سحر میں

کھو جاتا ہے۔ مکالموں میں اس بات کا خیال رکھا ہے کہ کردار کی اصلی شخصیت سامنے آ جائے۔ جگہ جگہ پر ایسے مکالمے ملتے ہیں جن سے آدی واسیوں کے روزمرہ اور اصلی مزاج سے قاری واقف ہو جاتا ہے۔ ناول میں منظر نگاری اس لئے اہم ہوتی ہے کہ اس کے ذریعہ سے قصے کی جزئیات اور حالات و واقعات کے تاثر کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔ منظر نگاری ہی قاری کو ہر واردات کا حصہ بنا دیتی ہے، لہٰذہ اس میں ذرا سی چوک ایک بڑے عیب کی صورت میں نمودار ہو کر سارے پلاٹ کو تتر بتر کر سکتی ہے۔ نیلیما میں شفق نے منظر نگاری کے حوالے سے کمال فنکاری سے کام لیا ہے۔ پڑھتے پڑھتے قاری منظر میں کچھ اس طرح گم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو قصے کا ایک حصہ تصور کرنے لگتا ہے۔ مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ نیلیما ایک ادبی شاہکار ہے، ایک ایسا ادبی شاہکار جس پر ہمیشہ گفتگو ہوتی رہے گی۔

خالد حسین

اس ناول میں ڈاکٹر شفقؔ سوپوری نے جو علامتی اور استعاراتی زبان استعمال کی ہے، جن تراکیب کو برتا ہے اور جو محاورے استعمال کئے ہیں وہ اردو زبان میں کم برتے گئے ہیں۔

ڈاکٹر گلزار احمد پڈر

نیلیما آدی واسی سماج سے متعلق ناول ہے۔ آدی واسی سماج سے مصنف

کا کوئی تعلق نہیں ہے۔اس سماج سے اُن کا تعلق آدی واسی سماج سے تعلق رکھنے والی گھریلو خادماؤں کے ذریعے سے پیدا ہوا ہے۔ پھر شفق نے خود اعتراف کیا ہے کہ خادماؤں کے علاوہ کلکتہ کی دو لیڈی ڈاکٹروں سے فون پر رابطہ قائم کرکے آدی واسی خواتین کے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں۔اس کے علاوہ شفق نے گوگل اور یوٹیوب پر موجود انفارمیشن سے بھی استفادہ کیا ہے لیکن شفق کا کمال یہ ہے کہ ثانوی ذرائع سے حاصل شدہ معلومات کو انہوں نے کس طرح اپنے تخلیقی وجود کا حصہ بنایا ہے ورنہ دنیا میں آج بھی ریت، چونا، بجری، گارہ اور ماربل ہر جگہ دستیاب ہے۔اس خام مواد سے تاج محل بنانا ہر کسی کے بس میں کہاں ہے جب کہ شفق نے یہ کرکے دکھایا ہے۔ شفق نے آدی واسی سماج کو باہر سے اور دور سے دیکھا ہے۔اس کے باوجود اس سماج کی ایسی عکاسی کی ہے جو شاید اس سماج کے اندر رہنے والے سے بھی ممکن نہیں ہے۔اس ناول کی کئی خصوصیات ہیں جن میں جزئیات نگاری منظر نگاری اور زبان کا استعمال قابل ذکر ہیں۔آدی واسی سماج کی زبان کو اس روانی سے استعمال کرنا شفق سوپوری کا کمال ہے جس طرح بشیر بدر نے غزل میں غیر مانوس الفاظ استعمال کرکے انہیں غزلیہ شاعری کا حصہ بنایا۔اُسی طرح آدی واسی سماج کی زبان اور محاورات کو شفق نے اُردو زبان کا حصہ بنادیا ہے۔ ناول نیلیما اپنے موضوع، برتاؤ اور زبان کے استعمال کی بنیاد پر یقیناً اُردو ناول نگاری میں ایک اہم اضافہ ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ شفق سوپوری دوسرے ناول پر کام کررہے ہیں۔ ہمیں اُس کا انتظار رہے گا تاہم نیلیما لکھ کر

انہوں نے اُردو ناول نگاروں کی صف میں اپنے نام کا اندراج پورے حق کے ساتھ کیا ہے۔

پروفیسر ایاز رسول نازکی

نیلیما واقعی بہت ہی دلچسپ ناول ہے۔ شفقؔ سوپوری نے اپنے لئے ایک اچھوتا اسلوب دریافت کیا ہے اور اس نے کتاب کو ایک دیو مالائی فضا مہیا کی ہے۔

وحشی سعید

زبان و بیان اور ڈکشن کے تعلق سے نیلیما ایک عمدہ مختصر ناول ہے۔ ایک مخصوص طبقے کی زندگی سے تعلق رکھنے والے معاملات و مسائل کو ایک خوبصورت پیرایہ میں بیان کیا ہے۔

ڈاکٹر مشتاق احمد وانی

شفق سوپوری کو اردو بستی کے لوگ ایک اچھے شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ محقق و نقاد کی حیثیت سے جانتے تھے لیکن 2016ء میں اُنھوں نے ''نیلیما'' نام کا ایک ناول لکھ ڈالا جس کی اشاعت کے بعد وہ ایک ناول نگار بھی تسلیم کیے جانے لگے ہیں۔ ناول ''نیلما'' اپنے موضوع کے لحاظ سے ایک منفرد ناول ہے کیونکہ آدی واسی طبقے سے متعلق اس سے پہلے اس طرح کا کوئی ناول نہیں آیا ہے۔ ہاں دلت طبقے کے مسائل اور اُن کی مشکلات پر تو کافی کام ہو رہا ہے لیکن آدی واسی طبقہ کم از کم اردو میں اس طرح پیش نہیں کیا گیا ہے جس طرح

اسے پیش کیے جانے کی ضرورت ہے۔ شفق سوپوری نے کشمیر میں رہتے ہوئے اس سلسلے میں پہل کی ہے جس کے لیے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

ہمارے ہندوستان میں زیادہ تر مغربی بنگال کے علاقے میں آدی واسی طبقے کے لوگ رہتے ہیں جن کی زندگی قابل رحم بھی ہے اور حیران کن بھی۔ ہندوستان کو آزادی نصیب ہوئے اب بہتر سال سے زائد زمانہ ہو گیا ہے لیکن آج بھی آدی واسی طبقے کے لوگ سیاسی، معاشی، تعلیمی اور تہذیبی اعتبار سے کافی پچھڑے ہوئے ہیں۔ اس کی خاص وجہ اُن کی تعلیم سے محرومی ہے۔ مذکورہ ناول کا مطالعہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ تعلیم یافتہ نہ ہونے کی وجہ سے آدی واسی لوگ ایک طرح کا ''ون جیون'' جیتے ہیں کہ اُن کے پاس اچھے برے یا حرام وحلال کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ شراب اور دوسری خباثتیں اُن کا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ شفق سوپوری نے نیلیما کو مرکزی کردار بنا کر اس طرح پیش کیا ہے کہ وہ پورے ناول میں ایک کیمرہ مین کی طرح معلوم ہوتی ہے۔ جو اپنے معاشرے کی بھیانک اور اندوہناک حالات وواقعات کی تصویریں قارئین کے سامنے پیش کرتی ہے۔

شفق سوپوری نے ازراہِ ہمدردی آدی واسی عورتوں کی نفسیاتی کیفیت اور اُس طبقے کی بنیادی کمزوریوں اور کمیوں کا پتا لگایا ہے کہ جن کے باعث یہ طبقہ تہذیب وشائستگی اور احساسِ ذمہ داری کی نعمت سے محروم ہے۔ مذکورہ ناول کے ذریعے شفق سوپوری نے یہ مسلہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ آدی واسی سماج میں مالکانہ حقوق کا کوئی تصور نہیں ہے اور حق ملکیت کے فقدان کے سبب

وہاں ہر طرح کی مار عورت سہتی ہے۔ نسوانی کرداروں میں مرکزی کردار نیلیما کے علاوہ نرملا، سمن، کانتا دیوی اور درگاماں سب آدی واسی خواتین پر ڈھائے جانے والے ظلم وستم کی کہانی بیان کرتی ہیں۔ ناول نگار نے اس شرم آمیز حقیقت کا بھی انکشاف کیا ہے کہ آدی واسی مرد جنسی معاملات کے سلسلے میں مقدس رشتوں کا بھی پاس ولحاظ نہیں رکھتے ہیں۔

فنی اعتبار سے اگر دیکھیں تو ناول ’’ نیلیما ‘‘ میں کہانی کی روانی، واقعات کی منطقی ترتیب، کرداروں کی حرکات وسکنات اور اُن کی بات چیت اپنی اپنی جگہ پر ناول کو کامیاب بناتے نظر آتے ہیں۔ پر لطف بات یہ ہے کہ شفق سوپوری نے اس ناول میں جو زبان استعمال کی ہے وہ آدی واسی طبقے سے مطابقت رکھتی ہے۔ اُن لوگوں کا مخصوص لب ولہجہ، اُن کی جہالت اور غیر شائستگی پر دال ہے۔

ڈاکٹر مشتاق حیدر

ادب اور جمالیات کا اہم دائرہ کار فرد کے باطن وظاہر کی کشمکش رہا ہے۔ اس عمل میں چیزوں کو ایک ہی زاویے سے دیکھنے اود دکھانے کے طریقہ کے برعکس مختلف زاویوں سے مشاہدہ اور مفاہیم کی وحدت کے بجائے کثرت کو اہم سمجھا جاتا ہے۔ یہ روّیہ بیسویں صدی کے ابتدائی زمانہ میں بڑی قوت ۔کے ساتھ سامنے آیا اور ادبی جمالیات کا وہ روّیہ جو پہلے حض سے عبارت تھا اب ذہنی ترفع، جذباتی تموج اور جسمانی آسودگی کے مفاہیم سے بھی آشنا ہوا۔ نتیجتاً ادب زندگی کی حقیقتوں سے قریب تر بھی ہوا اور موضوعی لحاظ سے متنوع حیثیت

اور جامعیت سے بھی بہرہ مند ہوا۔ داستانیں جس رومانی دنیا کی سیر کراتی تھیں اب تغیرِ زمانہ نے اسے بے معنیٰ بنا کے رکھا ہے۔ چنانچہ مغرب میں پہلے اور بعدازاں مشرق میں کہانی کے دھارے نے اپنا رخ دوسری طرف پھیرا۔ تخیل اور تفنن کو چھوڑ کر اب کہانی نے حقیقت کی سنگلاخ وادیوں میں قدم رکھا۔ کہانی کا داستان کے سانچوں سے نکل کر ناول کے پیکر میں ظہور دراصل انسانی زندگی کے ایک ماحول سے دوسرے ماحول کی طرف مراجعت تھی۔ رومان سے حقیقت، تخیل سے عقل، قدامت سے جدت، وہم سے منطق اور خصوصیت سے عمومیت کی طرف مراجعت، پروفیسر احسان اکبر کے نزدیک: ''ناول نے بنیادی طور پر antiromance کے طور جنم لیا۔ antiromance سے ہم کلاسکی مزاج مراد نہیں لیں گے۔ اس سے وہ رویہ مراد ہے جو معیار پسندی، عظمتِ حسن، نفاست اور خصوصی اہمیت رکھنے والے کرداروں کے بجائے عمومی اور معمولی کرداروں کی بھیڑ میں کسی کردار یا کرداروں کا سفر دکھائی دے۔ یہی عمومیت اسے عام زندگی میں شامل ہو کر زیست کو عام و خاص سارے مظاہر سمیت دیکھنے کی توفیق بخشتا ہے۔ یوں اپنی صنفی ضرورت کے تحت ناول تخیل کے بجائے حقیقت پر اصرار کرتا ہے۔ (پروفیسر احسان اکبر: پاکستانی ناول: ہیت امکان اور رجحانات ص ۸۹)

اس تمہید کے پسِ منظر میں اگر وادی کے معروف اردو شاعر ڈاکٹر شفق سوپوری جواب ناول نگار کے طور پر سامنے آئے ہیں کے پہلے اور تازہ ترین ناول بعنوان ''نیلیما'' کو دیکھا جائے تو یہ ناول خصوصاً موضوع، بیانیہ اور کردار

نگاری کے تناظر میں ایک دلچسپ اور کامیاب ناول کہلانے کا مستحق ہے۔

ناول کے پلاٹ کا خمیر بنگال کے آدی واسی سماج سے اٹھا ہے لیکن واقعات کی یہ زنجیر اپنے دائرے میں پوری دنیا کے دبے کچلے لوگوں اور استحصال زدہ عورتوں کی تصویر کھینچتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ ناول کا مرکزی کردار ایک عورت نیلیما ہے جو ہر سطح پر استحصال کا شکار ہوتی ہے۔ مرد اساس معاشرے میں نیلیما کا نہ صرف جنسی استحصال ہوتا ہے بلکہ سماج کے ریتی رواج، محبت کا جذبہ، ہمدردی اور دوستی کا احساس تک اس کی ہستی کے دشمن کی صورت میں ڈھل جاتا ہے۔ قاری کو بھی کبھی کبھی احساس ہوتا ہے کہ بس ابھی دھرتی کا سینہ پھٹ جائے گا اور یہ ان درندہ صفت انسانوں کو نگل جائے گی جنہوں نے ہر ہر گام پر نیلیما کا استحصال کیا۔

اس heroinbased ناول میں جہاں منفی کرداروں کی بھر مار ہے وہیں کچھ کردار کالے بادل کے گرد اُس چاندنی کے ہالے کی طرح نظر آتے ہیں جو بہتر مستقبل اور مثبت تبدیلی کی آس قاری کے سینے میں زندہ رکھتا ہے۔ ناول کے پہلے باب کا عنوان ''کابوس'' ہے، لیکن اس سے پہلے پری لوگ کے طور پر چند سطریں ''کل یگ'' کے عنوان سے اوپنشدوں کے اسلوب میں کامیابی کے ساتھ زینتِ قرطاس بنی ہیں۔ قاری یہ سطور پڑھ کر اایک ایسے ماحول سے دوبدو ہوتا ہے جو اسے آگے بیان ہونے والے واقعے کی شدت کا بخوبی احساس کراتا ہے۔ پری لوگ یوں ہے:

سب راجے اس دھرتی کے

گھمنڈی، اہنکاری، مدہوش

دشت ______

منورنجن کے لئے

استریوں اور ششوں کی ہتیا کرنے والے

پرائی پونجی ہتھیانے والے

تمس، تمس، تمس، تمس

سنگھاسن پر چڑھتے اترتے

لالچ کے پتر

پرجا ______

اوروں کی پرمپرا پر مرنے والی

ڈانواڈول، گڈمڈ

وحشی پن انوساشن ہے

لیر لیر مانوتا کی چولی

اچھے کرم اٹھ جائیں گے

سرشٹی تل تل مرجائے گی

جس کے پاس جتنا دھن اتنی بھلمنسی

بیاہ او ماشی کا سادھن

دھرتی کی چھاتی میں سوکھا پڑا

ممتا کا آکال

اشدھتا اچھے کرموں کی پہچان

نرے اشنان میں نرملتا کا گیان

اپ ہرن وواہ کا ابھدھان

انمول وستو اچ چرتر اور سمان

یاترا ______

جل کے انجانے سوتوں پر اشنان

انیائے ہی انیائے

گھاٹیوں میں چھپ جائے گی

ڈر سے جنتا

لوگ باگ پتوں، جڑوں اور پرندوں کے آہار پر

جیوت رہیں گے

شیت کال اور لُو کی رت میں پیڑوں کی چھال اور پات اوڑھیں گے

پھر مانو کی آئیو تیئس برس کی ہو گی

دھرتی کی سنتان

نشٹ ہو جائے گی

اس ناول میں کرداروں خصوصاً مرکزی کردار کے نفسیاتی مسائل اور وارداتِ قلبی کا بیان، کبھی مکالمے اور کبھی خود کلامی کے ذریعے جس خوبصورت

اور متاثر کن انداز میں کیا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ مثلاً نیلیما کی زبانی یہ خود کلامی کے چند جملے ملاحظہ کیجئے:

''اس دنیا میں کوئی تو ایسا ہوگا جو رات بھگنے پر گھر سے نکل کر چاند کو یہ سوچ کر پہروں نہارتا ہوگا کہ چاندنی میرے گاؤں کے پیڑوں پر بھی اترتی ہے___ کوئی تو ایسا ہوگا جو بھور سے اوس پر ننگے پاؤں چل کر پھولوں کو یہ سوچ کر چومتا ہوگا کہ جس دھرتی پر پھول کھلے ہیں میرا گاؤں بھی اسی دھرتی پر کہیں ہے۔ کوئی تو ہوگا جو پروا کے جھونکوں کو یہ سوچ کر باہوں میں بھرتا ہوگا کہ پروا کے جھونکے میرے تن کو بھی سہلاتے ہیں___ کوئی تو ہوگا۔ کوئی تو ہوگا۔''

اس ناول کا سب سے اہم اور طاقت ور جز اس میں برتی گئی زبان ہے۔ یہ زبان کتابوں سے سیکھی نہیں جاسکتی بلکہ اس زبان کو سیکھنے کے لئے اس لسانی سماج میں وقت گزارے بغیر چارہ نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ شفق سوپوری صاحب نے اسی لسانی سماج میں رہ کر یا اس لسانی سماج کے کسی فرد کو اپنے پاس بٹھا کر یہ مشکل مرحلہ کامیابی کے ساتھ طے کیا ہے۔ البتہ مجھے اس بات کا خدشہ ہے کہ ناول کی یہی طاقت اور جز کہیں قاری کے لئے ناول کے اصل جوہر تک پہنچنے میں مانع نہ بن جائے۔ یہ ناول چونکہ اردو میں ہے اور اردو کے قاری کے لئے لکھا گیا ہے اس لئے آدی واسی سماج کی زبان کا اس حد تک استعمال کرنا کہ ناول کے آخر پر فرہنگ دینا پڑے، شاید کئی قارئین کے ذوقِ سلیم پر گراں گزرے۔ البتہ اگر ناول نگار اس ناول کا پریم چند کی طرح ہندی

انو واد بھی چھاپنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو قارئین کا حلقہ نہ صرف وسیع ہوگا بلکہ اس کے تخلیقی تجربے کی پزیرائی بھی ہوگی جس میں اردو والے بخیلی سے کام لیتے ہیں۔

ناول کا پلاٹ روایتی ہے۔ واقعات ایک کے بعد ایک ترتیب وار قاری کے سامنے آتے ہیں اور قاری بنا کسی الجھن کا شکار ہوئے کرداروں کے ساتھ ذہنی سفر کرتا ہے۔ یہ خوبی آغاز سے انجام تک دلچسپی کو برقرار رکھنے میں معاون ثابت ہوئی ہے۔

پڑھے لکھے قاری learnedreader کے لئے بھی ناول میں بھی بہت کچھ موجود ہے۔ ناول کے کرداروں کی ایک علامتی اور استعاراتی جہت بھی ہے، جس نے نیرج پور کے آدی واسی عورتوں کے المیے کے بیان کو دنیا کی کسی بھی پسماندہ، ظلم کا شکار اور بے سروسامان قوم کے المیے کا بیان بنا دیا ہے۔ شاعر شفق سوپوری کہیں کہیں ناول نگار شفق سوپوری پر حاوی ہوگیا ہے اور جہاں بھی ایسا ہوا ہے وہاں تشبیہ، استعارہ، حذف، ایمائیت اور مجاز کے رنگوں سے سجا ایک لالہ زار وجود میں آیا ہے۔ اس ناول میں اگرچہ آدی واسی سماج کی عورتوں کے مسائل اور استحصال کا ذکر بہت فنکاری کے ساتھ کیا گیا ہے مگر اسے محض تانیثی ناول قرار دینا اس ناول کی ہمہ گیریت اور اس کے اندر موجود تخلیقی تجربے کی بے قدری کے مترادف ہوگا۔ یہ ناول آدی واسی سماج کی زندگی کا ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ہر عکس اپنے رنگوں کے ساتھ قاری کی آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

دلت طبقے کی حالت زار پر کرشن چندر کا افسانہ کالو بھنگی پھر پریم چند کا افسانہ کفن بہت پہلے اردو زبان نے حق گوئی اور دبے کچلے لوگوں کی حمایت کے طور پر دنیا کے سامنے رکھا ہے۔ آج اس قبیل کے ادب میں الیاس احمد گدی کے فائر ایریا اور غضنفر کے دویہ بانی کے بعد شفق سوپوری کا میلیما بھی ایک آن بان اور شان کے ساتھ شامل ہوا ہے۔ جس کے لئے شفق سوپوری مبارکبادی کے مستحق ہیں۔

(نوٹ)

خاکسار نے اپنے ان مہربانوں کے ارشادات کو تبرک کے طور پر نیلیما کے طبع سوم میں شامل کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ طوالت کے خوف سے ان فرمودات میں دئے گئے حوالہ جات کو حذف کیا گیا ہے۔ انشاء اللہ عنقریب ہی ان سب تحریروں کو کتابی شکل دی جائے گی جو نیلیما کے حوالے سے شائع ہوئی ہیں۔ نیلیما پر نذیر فتح پوری کی کتاب پہلے ہی شائع ہو چکی ہے۔

(شفق سوپوری)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کل یگ

سب راجے اس دھرتی کے
گھمنڈی، اہنکاری، مدہوش
دشٹ ________

منور رنجن کے لئے
استریوں اور پشوؤں کی
ہتیا کرنے والے
پرائی پونجی ہتھیانے والے

تمس، تمس، تمس، تمس ________
سنگھاسن پر چڑھتے اترتے ________ لالچ کے پتر
پرجا ____ اوروں کی پرم پرا پر مرنے والی
ڈانواں ڈول، گڈمڈ ہونے والی

وحشی پن انوشاسن ہے
لیر لیر مانوتا کی چولی

اچھے کرم اٹھ جائیں گے
سرشٹی جل جل مر جائے گی

جس کے پاس جتنا دھن اتنی بھلمنسی
بیاہ اوماشی کا اک سادھن

دھرتی کی چھاتی میں سوکھا پڑا
ممتا کا آکال ________

اشدھتا اچھے کرموں کی پہچان
نرے اشنان میں نرملتا کا گیان
اپ ہرن وواہ کا ابھدھان
انمول وستو اُچ چرتر اور سمان
یاترا ____ جل کے انجانے سوتوں پر اشنان

انیائے ہی انیائے ____

گھاٹیوں میں
چھپ جائے گی ڈر سے جنتا
لوگ باگ پتوں، جڑوں اور پرندوں کے آہار پر
جیوت رہیں گے ________
شیت کال اور لُو کی رُت میں
پیڑوں کی چھال اور پات اوڑھیں گے

پھر مانو کی آیو تیئیس (۲۳) برس کی ہوگی
دھرتی کی سنتان
نشٹ ہو جائے گی (۱)

Classical Hindu Mythology :(۱)

باب اول

کابوس

نیرج پور ـــــــــ یہ گاؤں اُسی گاؤں کے آس پاس واقع ہے
جہاں ایک آدی واسی دوشیزہ کو الف ننگا کر کے گاؤں گاؤں رسوا کیا
گیا۔ نیرج پور جلپور ضلع سے دو گھنٹے کی مسافت پر چائے کے باغات کے
بیچ میں آباد ہے۔ اس طرف لوگ باگ مسافت میلوں سے نہیں گھنٹوں
سے ناپتے ہیں۔ جلپور میں بڑی مارکیٹ ہے۔ اسی وجہ سے ملحقہ دیہات
کے لوگ خرید وفروخت کے لیے اس کے بازار میں امنڈ آتے ہیں۔ شادی
بیاہ کے موسم اور تیج تیوہار کے موقعوں پر جلپور کے بازار میں وہ بھیڑ بھڑکا
رہتا ہے کہ تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی۔ فٹ پاتھوں پر چھاپڑی فروش،
دندان ساز، عینک ساز، جڑی بوٹیاں بیچنے والے، جوتشی، کن میلیے، ڈھنکیے،
پنجیرے وغیرہ ہمیشہ مصروف رہتے ہیں۔ ریلوے اسٹیشن ہونے کی وجہ

سے بھی لوگوں کا ہجوم لگا رہتا ہے۔ یہاں ہوٹل بھی ہیں جن میں عام طور پر دوسرے شہروں سے آئے ہوئے تاجر، اوباش قسم کے لوگ اور دیہات کے آوارہ نرناریاں رین بسیرا کرتے ہیں۔

نیرج پور سے جلپور جانے والی سڑک کا بیشتر حصّہ جنگل سے ہو کر گزرتا ہے۔ اس وجہ سے دن ڈھلنے کے بعد لوگ اس پر سفر کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ دیہاتیوں کا ماننا ہے کہ اس جنگل میں بھوتوں، چڑیلوں، ڈائنوں اور چھلپائیوں کے ٹھکانے ہیں۔ گویا جنگل نہ ہوا پاتال ہوا۔ ویسے نیرج پور کیا اس طرف لگ بھگ سارے دیہات کے لوگ ان مافوق الفطرت عناصر پر یقین رکھتے ہیں۔ کچھ لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے مردہ رشتہ داروں کی آتماؤں کو دیکھا ہے۔ خاص کر یہ عقیدہ عام ہے کہ قتل ہونے والوں اور خودکشی کرنے والوں کی آتمائیں رات کو غول در غول گلی کوچوں میں چنگھاڑتی پھرتی ہیں۔ معلوم نہیں اس بات میں کتنی سچائی ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ آدی واسیوں کے اس پورے علاقے میں جادو ٹونا کرنے والے کثرت سے موجود ہیں۔ لوگ باگ اس بات سے اس قدر خائف ہیں کہ ذرا سے بخار کو بھی جادو ٹونے پر محمول کر کے اوجھوں سے رجوع کرتے ہیں۔

نیرج پور میں اگرچہ کئی دکانیں ہیں مگر کاروبار کے اعتبار سے لالہ پھمن داس بہاری نے کسی اور دکان دار کو پھلنے پھولنے نہ دیا۔ اُس نے سارے گاؤں پر سِکّہ بٹھایا ہے۔ اس گاؤں میں اکثریت اُن غریب غرباء کی ہے جو

دن بھر چائے کے باغات میں یا دوسری جگہوں پر محنت مزدوری کر کے مشکل سے گذر اوقات کرتے ہیں۔ شراب نوشی ان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ شام کو تھک ہار کر جب مزدور گھر آتے ہیں تو پہلے شراب سے حلق تر کرتے ہیں پھر منہ میں نوالہ ڈالتے ہیں۔ لوگ لگائی، لونڈے لاڑیئے سب اس لت میں گرفتار ہیں اور طلب مٹانے کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ لالہ اور ضروریات کے علاوہ ان کی یہ ضرورت بھی پوری کرتا ہے۔ دن کے تیسرے پہر کے بعد لالہ کی دکان پر خریداروں کا تانتا لگا رہتا ہے۔

●

بسنتی رنگ کے کپڑوں میں وہ بالکل سرسوں کا پھول لگ رہی تھی۔ اس کے شانوں پر بکھری ہوئی ریشمی زلفوں کی خوشبو سے سارا کمرہ مہک رہا تھا۔ آنکھوں میں کاجل لگا کے جب وہ زرد رنگ کی چوڑیاں پہننے لگی تو بہن نے غصے سے ٹوکا:

''تو کینچلی بدل کر(۱) اس ڈھب سے بازار جائے گی؟ کھلے بال، ننگی باہیں، اور یہ چوڑی دار پاجامہ، لاج کر ___ لا پیسے دے میں خود جاؤں گی۔''

وہ چوڑیاں پہن کے آئینے کے سامنے خود کو آخری بار اچھی طرح نہار کے بولی:

---

(۱): کینچلی بدلنا: (ظرافتاً) پوشاک بدلنا، نکھرنا، روپ نکالنا۔

''ایسا کون سا طوفان اُٹھے گا گاؤں میں؟ میں کوئی پہلی بار اس طرح گھر سے نکل رہی ہوں؟''

وہ چپل پہن کے دروازہ کھٹ سے بند کر کے چلی گئی۔ بہن بڑبڑاتی ہی رہی:

''کون سمجھائے اس پگلی کو کہ یہ نگر نہیں گاؤں ہے''۔

''اری سینے پر دوپٹہ تو رکھ۔''

بہن نے کھڑکی سے آواز دی۔ اس نے گلی میں مڑ کر بہن کی طرف منہ بنا کر دیکھا اور دوپٹہ سر پر رکھ کے چل دی۔

معمول کی طرح اُس دن بھی لالہ کی دکان پر خریداروں کا ہجوم تھا۔ نیلیما بڑی دیر سے مُٹھی میں دس روپے کا نوٹ دبائے اپنی باری کا انتظار کر رہی تھی۔ بچپن سے ہی باہر رہنے کی وجہ سے وہ اپنے گاؤں کے ماحول، گاؤں والوں کے ماندو بود اور اینچ پیچ سے لگ بھگ ناواقف تھی۔ کبھی کبھی فون پر ایک آدھ واردات کی اطلاع ملتی تھی مگر ان خبروں سے اس کے ذہن میں اپنے ماحول کا پورا خاکہ نہ بن سکا۔ دس برس کی تھی تو والدین کے ساتھ کانپور میں کوئلے کے کارخانے میں مزدوری کرنے لگی۔ وہاں جس جھونپڑے میں وہ رہتے تھے اس میں تنگی اس قدر تھی کہ ڈھنگ سے سویا جاتا تھا نہ خواب دیکھنے کی ہمت ہوتی تھی۔ اُسے اب بھی یاد ہے وہ جھونپڑا ریلوے لائین کے بازو میں تھا اور جب اس کی ماں شام کو اینٹوں کے چولھے پر ہانڈی چڑھاتی

تھی وہ ریل کی سیٹی سن کر دوڑتی ہوئی پٹری کے قریب جاتی۔ گھڑ گھڑ گھڑ گزرتی ریل کو دیکھ کر وہ خوش ہو جاتی۔ پھر ایک ریل گزرتی جس کے پیچھے کچھ چھنوں کے لیے ڈوبتا سورج چھپ جاتا، وہ بے کل ہو کر ریل کے گزرنے کا انتظار کرتی۔ شام پھولتی تو اُسے لگتا جیسے دور کسی گاؤں میں آگ لگی ہے:

''کہاں گئی تو ننگے پیر؟''

اس کا بابا اُسے پکارتا اور اماں پھُنکنی لے کر پیچھے دوڑتی۔

کچھ ہی دیر میں نیلیما کو احساس ہوا کہ لالہ جان بوجھ کر اس کی نمائش کرا رہا ہے۔ وہ ہمک ہمک کر آواز دے رہی تھی:

''لالہ دس روپے کی مرچی۔''

مگر لالہ نے جیسے کانوں میں روئی دے رکھی تھی۔ تاک جھانک کے لیے راہگیروں کی بھی اچھی خاصی بھیڑ جمع ہو گئی۔ اُس نے زچ ہو کر دو تین گاہکوں کو پرے ہٹا کر لالہ کے نوکر کشن کی طرف دس روپے کا نوٹ بڑھایا:

''بھیّا! دس روپے کی مرچی۔''

دوپٹہ اس کے سر سے سرک کر شانوں پر آویزاں ہوا۔ اس نے دوپٹہ درست کیا۔ اس کے پہلو میں کھڑے ایک گاہک کی نگاہیں اُس کی گوری گوری باہوں سے پھسل کر بغل پر آ کر ٹِک گئیں۔ نیلیما نے دیکھا تو ایک نظر حقارت بھری اس پر ڈال دی۔ گاہک نے نیلیما کے اس ردعمل سے جل بل کر کہا:

''لالہ! گاؤں میں بہار آئی ہے۔''

اُس نے زبان ہونٹوں پر پھیر لی۔ لالہ کچھ سودا تول رہا تھا۔ اُس نے ڈس کو ہاتھ سے پکڑا اور عینک کے اوپر سے دیکھ کر کہا:

''ابے بُو بک! بوزا(۱) پی کر اٹل جھپ ہونے والا کیا جانے کہ وہسکی کا خمار کیا ہوتا ہے۔ کیکر کی تیز خوشبو سے باولا ہونے والے کو کیا خبر کہ کچے گلاب کی خوشبو کیا ہوتی ہے۔ چل راستہ ناپ۔''

اس پر ایک قہقہہ گونج اٹھا۔

نیلیما کو حیرت ہوئی کہ اتنے مرد وزن کی موجودگی میں لالہ بدتمیزی کر رہا ہے۔ اُس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ دھاڑتے ہوئے لالہ سے کہا:

''لالہ! سودا دیتے ہو یا میں جاؤں۔''

لالہ نے مسکراتے ہوئے لالچی نظروں سے اس کے سراپا کے انگ انگ کو ٹٹولا:

''اتاولی کیوں ہو رہی ہے؟ اتاولا باولا ہوتا ہے۔ شانتی موسی بڑی دیر سے انتظار کر رہی ہے۔ ابے کشنے! مائی کا سامان ترنت باندھ۔''

کشن نے بوری سے آلو نکالنے شروع کئے تو کھلڑ بڈھیا(۲) نے ضعیف ہاتھ ہلا ہلا کر کہا:

---

(۱): بوزا: چنے، جو اور چاول کے شیرے سے بننے والی شراب۔

(۲): کھلڑ بڈھیا: وہ بوڑھی عورت جس کے جسم پر گوشت کے بجائے کھال ہی کھال ہو۔

''اے چھوکرے! اس دکان کی نکمی چیزوں کا میں نے ہی ٹھیکہ لے رکھا ہے کیا؟ کل کی طرح پوکے(۱) اور ڈوڈرے(۲) آلو نہ دینا۔ لالہ! تم ان چوہوں کا کچھ علاج کیوں نہیں کرتے؟''

لالہ کو پھبتی اُڑانے کا موقع ملا:

''موسی! چوہا تو مفت میں بدنام ہے، چوہیا بھی کچھ کم اودھم نہیں مچاتی۔''

بڑھیا مسکرائی اور پوپلے منہ سے بولی:

''چل نگوڑے۔''

ایک اور قہقہہ گونج اٹھا۔

نیلیما غصّے سے لال پیلی ہورہی تھی۔ لالہ نے اس کے ہاتھ سے پیسے لے کر کشن سے کہا:

''کشنے! چھوری کو نپٹا دے۔ پتہ نہیں لوگ مرچی کا کیا کرتے ہیں؟''

یہ سن کر نیلیما کا پارہ اور چڑھ گیا، بولی:

''بری نظر سے دیکھنے والوں کی آنکھوں میں جھونکتے ہیں۔ کیوں بنیائن نے کبھی بتایا نہیں؟''

لالہ نے بڑے پیار سے کہا:

---

(۱): پوکا: (آدی واسی) گلی سڑی چیز جس پر پھپھوندی لگی ہو۔

(۲): ڈوڈرا: (آدی واسی) وہ چیز جسے چوہے یا کیڑے نے کھا کر اندر سے کھوکھلا کر دیا ہو۔

''جو خود تتیا مرچ ہوا گر ایک نظر تاؤ بھری سالن یا چٹنی پر ڈال دے،
ایسا تیکھا ہو جائے گا کہ کھانے والے کھوپڑی سے سی سی کرتے ساری رات
پانی مانگیں گے۔''

''بدتمیز___''

اس کا سارا غصہ اور احتجاج اس ایک لفظ میں سمٹ گیا۔ اس نے لپک کر
کشن کے ہاتھ سے مرچی کی پڑیا چھین لی اور بھاگنے لگی۔ چلتے چلتے وہ دانت
پیس رہی تھی:

''اس سؤر کی تو ماں بہن___''

مگر اُس نے سنا تھا کہ لالہ وہ کھنگر ہے جس پر اگر ہتھوڑا مارا جائے تو اس کا
تو کچھ نہیں بگڑے گا، الٹا کلائی ٹوٹ جائے گی۔ لالہ نے گاؤں کے ہر باسی کو
ادھار کی نکیل سے بے بس کر کے رکھا تھا۔ وہ اکثر کہتا تھا:

''لالہ چھمن داس بہاری شیر کو بھی قابو میں کرنے کا ہنر جانتا ہے۔
شیروں کی بھی قسمیں ہوتی ہے۔ کسی کے منہ میں بوٹی ڈال کر کتا بنا دیتا ہوں۔
کسی کی دُم پر پن سیری رکھ دیتا ہوں___ سالا وہیں بلی کی طرح میاؤں
میاؤں کرتا ہے۔''

●

سناٹا اتنا گہرا تھا کہ پرانی وضع کے ساگوان کے صوفے کی چرمراہٹ
سے دونوں چونک اٹھیں۔ وقفے وقفے سے نیلیما کے ہانپنے اور دھسک کی آواز

صاف سنائی دے رہی تھی۔ وہ کئی دن سے کھانسی میں مبتلا تھی اور اپنی بہن بیتا کے ساتھ حکیم عبدالصمد قریشی کے مطب میں ان کا انتظار کر رہی تھی۔

کھڑکیوں پر نارنجی رنگ کے پردے، دیوار سے لگی ہوئی پرانے کی طرز کی الماری میں قرینے سے رکھی ہوئی کچھ کتابیں، اخباروں اور رسالوں کا پلندہ، جڑی بوٹیوں کی ڈھیریاں، شیشے کے مرتبان اور بوتلیں۔ الماری کے بغل میں چوبی کرسی کے آگے میز۔ اس پر نیلے رنگ کی صاف ستھری میز پوش۔ ایک طرف اخباروں کے تراشے جن پر مختلف رنگوں کا سفوف، دو چھوٹی اوکھلیاں، ایک سِل اور سل بٹا ساتھ میں کھرل۔ پورا کمرہ جڑی بوٹیوں اور اگر بتی کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ وہ حیرت سے کمرے کا جائزہ لینے میں محو تھی کہ ڈیوڑھی کے دو پلے دروازے کے کھلنے کی آواز آئی۔ حکیم صاحب کی کھنکار سنتے ہی دونوں تعظیم کے لیے کھڑی ہوگئیں۔ حکیم صاحب نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے مشفقانہ لہجے میں کہا:

''بیٹھو بیٹی کسی مریض کو دیکھنے کے لیے جا رہا تھا، تمہاری چاچی نے روکا کہ چندو بھائی صاحب کی بیٹیاں آئی ہیں۔ تم نیلیما ہو؟ چندو کی پھول بیٹی۔ تم کئی برسوں سے کشمیر میں کام کر رہی ہو نا؟ اس بار کتنے دن کے لیے آئی ہو؟''

نیلیما نے نظریں جھکائیں، حالانکہ دوپٹہ ٹھیک حالت میں تھا پھر بھی لجاتے ہوئے کونوں کو کھینچ کر ماتھے تک لایا:

''چاچا جی! ڈھائی برس سے کشمیر میں ہوں شاید کچھ دن ٹھہرنا پڑے گا۔ بہن گروپ لیکر باہر گئی ہے۔ دو دن سے کھانسی ہے، سانس لینے میں تکلیف

ہو رہی ہے۔"

حکیم صاحب نے میز پر عینک رکھ دی اور وہ دوائیوں کی پڑیاں بنانے لگے:

"ہاں یہ تو سنا ہے کہ تمہاری بہن سمن بھی ایجنٹ (ا) ہو گئی ہے۔ لگتا ہے کشمیر کی آب و ہوا پسند آئی ہے بٹیا کو۔"

"جی!"

وہ دانتوں سے ہونٹ کاٹنے لگی:

"سردیاں البتہ پریشان کرتی ہیں۔"

بیتا مسکرائی:

"وہیں سے زُکام لے کر آئی ہے۔"

نیلیما نے اُسے ٹہوکا دے کر چپ کرا دیا۔

"اچھا یہ بتاؤ۔"

حکیم صاحب نے پڑیاں نیلیما کو تھماتے ہوئے پوچھا:

"مالک کے گھر میں کون کون ہے؟"

نیلیما نے پُڑیاں لے کر کہا:

"پاپا جی ہیں، اماں جی اور بھیا۔ یہ ہمارا پریوار ہے۔"

(ا): ایجنٹ: مغربی بنگال کے آدی واسی علاقوں میں ایک اصطلاح ایجنٹ کی رائج ہے۔ اس طرف ایجنٹ سے مراد وہ مرد یا عورت ہے جو ان علاقوں سے بے روزگار مرد و زن کو مختلف شہروں میں ایجنسیوں کے ذریعہ کام پر لگاتے ہیں۔

حکیم صاحب نے دواؤں کے استعمال کا پورا طریقہ سمجھایا۔ وہ اٹھنا ہی چاہتی تھیں کہ حکیم صاحب کی بیگم شربت لے کر آئیں:

حکیم صاحب نے دونوں بہنوں کے سر پر ہاتھ پھیرا:

''بھئی تم بیٹیوں سے بات چیت کرو، میں مریض کی خبر لے کر آتا ہوں۔''

یہ کہہ کر حکیم صاحب اٹھے اور انگوچھا کاندھے پر رکھ کے چل دیئے۔ حکیم صاحب کی بیگم نے بڑے پیار سے دونوں کو شربت پلایا:

''اور سب کیسا ہے؟ آرام سے بیٹھو۔ حکیم صاحب کہہ رہے تھے کہ کل لالہ کی دکان پر۔ بڑے دکھ کی بات ہے۔ یہاں عورت ذات کی کوئی قدر ہی نہیں۔ تمہارے چاچا کے پردادا فیض آباد سے یہاں جڑی بوٹیوں کی ڈھنڈیا میں آئے تھے۔ مزاج سے درویش تھے، اس علاقے کی خاموش فضا اور پُرسکون ماحول نے پاؤں میں زنجیر ڈال دی، یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ تب یہ تپُو بن (ا) تھا۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ ایک وقت اس جگہ کو نحوست، غربت اور غلاظت گھیرے گی۔ ہزار بار میں نے اُکسایا کہ فیض آباد چل کر پرکھوں کی جائیداد سنبھالئے۔ کہتے ہیں ڈرتا ہوں کہ محشر میں جو پوچھا کہ بے کس، بے سہارا اور غریب روگیوں کو کس کے سہارے چھوڑ کر فیض آباد میں مسیحائی کی۔ عمر بھر کی عبادت اور ریاضت اکارت جائے گی۔ تم میری بیٹیوں جیسی ہو، کہتے

(ا): تپُوبن: (ہندی) وہ جنگل جس میں جوگی تپ یا ریاضت کرتے ہیں۔

ہوئے شرم آتی ہے کہ کوئی دن نہیں گزرتا جب آس پاس کے دیہات سے جھنجوڑی ہوئی عورتیں گپت روگ کی شکایتیں لے کر دھڑیوں نہ آتی ہوں۔ میں پردے میں ان کی بپتا سن کر حکیم صاحب کو سناتی ہوں۔ کتنی ماں بہنیں ایسی ہیں جو لاج سے چپ ہو کر اندر ہی اندر گل سڑ کر ختم ہو جاتی ہیں۔ کتنی پاپ روگ سے مر جاتی ہیں۔ دہلی روگ (۱) سے گھروں کے گھر خالی ہو رہے ہیں۔ ہوس کے اندھے رجونتیوں (۲) کو بھی نہیں بخشتے ______ ست خصمیوں کی بپتا الگ ہے۔ شراب، جوا، جوتم پیزار، دھینگا دھانگی، لات مکّی، تشاتم، جھوٹم جھاٹا جہاں دیکھو لٹس مچی ہوئی ہے۔ تمہارے سَمُدائے کے مردوں کو کوئی سدھ نہیں کہ کرم کانڈ (۳) میں ناری کا کیا مقام ہے۔ سترہ سال کی ایک آدی واسی ناری کو ننگا مادر زاد کیا جاتا ہے۔ بے آبرو کر کے گاؤں گاؤں پھرایا جاتا ہے۔ تماشائین ڈھول بجاتے ہیں۔ اپنی ہی قوم کے بے غیرت مرد اس ابلا کے ننگے شریر پر کوڑے برساتے ہوئے، گندی حرکتیں کرتے ہوئے فلمیں اتارتے ہیں۔ یہ تو جانگلو لوگوں کی روش ہے۔ نراج ہی نراج، کوئی ڈنڈ نیتی نہیں۔ جو پنچایت نے کہا وہ پتھر کی لکیر۔ زمانہ کہاں سے کہاں پہنچا مگر یہاں

---

(۱): دہلی روگ: (آدی واسی) یہ اصطلاح آدی واسی علاقوں میں HIV AIDS کے لئے رائج ہے۔

(۲): رجونتی: (ہندی) زنِ حائضہ۔

(۳): کرم کانڈ: (ہندی) اعمال اور یگیہ سے متعلق شاستر کا حصہ۔

اب بھی لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ پنچ مِل خدا، خدا مِل پنچ۔ دھرم کہاں ہے۔ شاستر کہاں ہیں؟ قانون کہاں ہے؟ عورت کو اس طرح ذلیل کرنے والے نرویدُ(۱) پنچوں کو تو بیچ چوراہے میں گولی سے اڑا دینا چاہیے۔ اپ ہرن کس دھرم میں شادی ہے۔ شادی کس مذہب میں عیاشی کا ذریعہ ہے۔ راچھس وواہ(۲) پر شیخی مارنا کون سی مانوتا ہے۔ گندھرو وواہ(۳) کس دھرم میں جائز ہے۔ برامت مانتا تیوہاروں کے موقعے پر تمہارے مندروں میں پوجا پاٹ کے لیے پجاری باہر سے آتے ہیں__ ان کے کھانے پینے کا انتظام یا تو شاستری جی کے یہاں ہوتا ہے یا رسوئیے ساتھ ہوتے ہیں۔ شاستری جی کہتے ہیں اگر دُربھاگیہ سے گھر میں شودر در آئے تو گوارا ہے، مگر آدی واسی کا سایہ بھی اگر آنگن میں پڑا تو پورے گھر کو شدھ کرنا پڑتا ہے کیونکہ یہ نِشدُھ جانوروں کا گوشت کھاتے ہیں۔ ملیچھ ہیں دھرم بھرشٹ کرتے ہیں، نرک میں جائیں گے۔ ویسے بھی جس دِلدّر میں یہ قوم ہے وہ نرک سے کم نہیں۔"

حکیم صاحب کی بیگم نے اوڑھنی کے کونے سے منہ کا جھاگ صاف کیا:

---

(۱): نردید: (ہندی) وید سے ناواقف۔ (بے ایمان)

(۲): راچھس وواہ: (ہندی) وہ بیاہ جو لڑکی کو جبراً لے کر کیا جائے۔

(۳): گندھرو وواہ: (ہندی) آٹھ طرح کے بیاہوں میں سے ایک جس میں مرد اور عورت اپنی خوشی اور رضامندی سے تعلقاتِ زناشوئی پیدا کرتے ہیں۔

''تمہاری اماں کہتی تھیں کہ نیلیما سورگ میں ہے۔ بیٹی تم اس دکھیا لے سے واپس اپنے سورگ میں چلی جاؤ۔ تمہارے چاچا کو چنار دیکھنے کا بڑا شوق ہے، موت اور روگیوں نے فرصت دی تو مڈھ بھیڑ وہیں ہوگی۔ کہتے ہیں اس چھتنار درخت کے سائے میں ماں کے آنچل جیسی ٹھنڈک ہے۔''

وہ اٹھ ہی رہی تھیں کہ حکیم صاحب آگئے۔ دونوں بہنوں کو چاچا چاچی نے ڈیوڑھی پر بڑے پیار سے رخصت کیا۔ نیلیما کو جاتے ہوئے محسوس ہوا جیسے چنار کا درخت چاچا چاچی کی جون میں اس نرک میں بھی اس پر ممتا کا سایہ کئے ہوئے ہے۔

●

نیلیما کا بہنوئی بنسی لال باہر سے ہی دارو چڑھا کے آیا تھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا جھور (۱) رہا تھا۔ اس کی بیوی اپنے بچے کو سلا رہی تھی۔ نیلیما نے کھانے کی تھالی بہنوئی کے سامنے رکھ دی تو اس کی نرم زلفوں کا مہکتا ہوا آبشار کاندھوں سے پھسل کر سینے پر تھم گیا۔ چوڑیوں کی جوان کھنک سے بنسی کے سارے حواس اُڑ گئے۔ کھاتے کھاتے اُس کے پھندے پڑنے لگے۔ نیلیما پانی کا گلاس رکھتے ہوئے جب جھکی تو بنسی کا دھیان اس کی چولی کے زیر و بم میں کہیں کھو گیا۔ اس کی

---

(۱): جھورنا: (پنجابی) گردن ڈال کر عالمِ غنودگی میں سوچنا۔ (زرگزشت: مشتاق احمد یوسفی)

بیوی بیتا یہ سب کن انکھیوں سے دیکھ رہی تھی۔ اُس نے کھنکارتے ہوئے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ بنسی کے کانوں میں اس کے دوست کی باتوں کے خنجر اُتر رہے تھے:

''تمہاری سالی پر پورا جوبن آیا ہے۔ کسا کسا اُبھرا سینہ، گوری گدرائی باہیں۔ جسم ہے یا جوار بھاٹا۔ پٹاخا ہے پٹاخا یار بنسے! جس کے سینے پر یہ پٹاخا پھوٹے گا، سالا پرزہ پرزہ ہو کر دھول ہو جائے گا۔''

ان باتوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

ہزار کوششوں کے باوجود بنسی لال سو نہ سکا۔ اُسے اپنا سارا وجود، اپنی ساری کایا انگاروں پر لوٹتی محسوس ہوئی۔ اُس کے ذہن میں نیلیما کی گوری باہیں، زلفوں کا آبشار، سینے کا زیروبم، ابھرے ہوئے کولہے اور مدہوش کرنے والی خوشبو مسلسل ہلچل مچا رہی تھی۔ اُسے دھیان ہی نہ رہا کہ وہ کب اور کیسے اُس کمرے تک پہنچا جس میں نیلیما دروازہ بھیڑ کے سو رہی تھی۔ اس کے من میں کچھ دیر دُبدھا رہی۔ آخر کار بے حال کرنے والے ایک شہوت انگیز جھونکے نے اُسے تنکے کی طرح اڑا دیا۔ نیلیما اوندھے منہ سو رہی تھی۔ چادر ایک طرف بکھری پڑی تھی۔ کچھ ہی لمحوں میں بنسی کے ہاتھ نیلیما کے کولہوں پر تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ شلوار سرکا دیتا نیلیما کی نیند اُچٹ گئی۔ نیم خوابیدہ حالت میں اُسے محسوس ہوا کہ کابوس نے ابھی تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑا ہے:

''مگر وہ بلا تو سینے پر سوار ہوتی تھی۔''

وہ پوری طرح جاگ گئی۔ شراب کی بدبو اور بنسی کے منہ کی بساند سے اُسے معاملے کو سمجھنے میں دیر نہ لگی۔ اُس نے بنسی کو دور دھکیل دیا۔ بنسی باولے

کتے کی طرح اس پر جھپٹ پڑا۔ وہ زور سے چیخ پڑی۔ دھاڑ سن کر بیتا دوڑ کے آئی۔ اُسے جس حادثے کا کھٹکا تھا وہی ہوا۔ اس نے بنسی کے بال کھسوٹنے شروع کیے:

"حرامی، سوّر، لفنگے"

وہ روہانسی ہوگئی:

"اور تو! جنم جلی! کلٹا! تمہیں سیندھ لگانے کے لیے میرا ہی گھر ملا تھا۔ تھو دھتکار ہے تجھ پر۔"

یہ سُن کر نیلیما پتھرا گئی۔ اس کے سارے آنسو ریت کے تپتے صحرا میں کہیں جذب ہو گئے۔

●

سورج ڈوبنے کی لگار پر تھا۔ اونچے پیڑوں پر زرد کرنیں دم توڑ رہی تھیں۔ جنگل سے گزرنے والی سڑک کے آر پار پیڑوں کے سایوں سے دھاریاں بن گئی تھیں۔ نیلیما دھنی رام کے پہلو میں بیٹھی جنگل کی سنسان فضا کو مایوس نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس گاؤں کا بے چینی کے ساتھ انتظار کر رہی تھی جہاں اُسے کچھ دن کے لیے جائے پناہ ملنے والی تھی۔ رات کے خوفناک حادثے نے اُسے جھنجوڑ کے رکھا تھا۔ صبح سے اب تک اس پر مصیبتوں کا آسمان ٹوٹ پڑا تھا۔ اچانک جیسے وہ اکیلی بھٹک کر کسی ویران حویلی میں داخل ہوئی اور خستہ دیواروں پر لٹکی ہوئی دھندلی اور ہیبت ناک تصویروں سے گھنی،

گہری اور ڈراؤنی آوازیں آنے لگیں۔

''نیلیما کہاں جاؤ گی۔میرے پاس آؤ۔''

''اور تو جنم جلی! کلٹا!''

''دو ہزار روپے؟ چھوری اتنے پیسے کا کیا کرے گی؟''

''لالہ سخت مجبوری ہے۔''

''تھو ''

''دیکھ چھوری! میں کاروباری آدمی ہوں دن بھر محنت مشقت کر کے، مغز مار کے دو پیسے کماتا ہوں۔''

''لالہ سخت مجبوری ہے۔''

''چل جلپور، ہوٹل میں آئے گی؟''

''میں کوئی ساہوکار نہیں جو پٹا لکھوا کر روکڑ دیدوں۔''

''لالہ! صرف دو دن کے لیے سخت مجبوری ہے۔''

''چل بھاگتی ہے میرے ساتھ؟''

''لالہ جا کڑا اور روکڑ نہیں دیتا۔''

''میں واپس آ کر ادھار چکاؤں گی۔''

''دھتکار ہے تجھ پر۔''

''ہتھ ادھار کیسے دوں؟''

''لالہ! بھگوان کے لیے جلپور سے آ کر جو کہو گے کروں گی۔''

''تھو، تھو، تھو ''

تصویریں بول رہی تھیں اور وہ گھومتے گھومتے چکرا گئی۔ اس کا سر دھنی رام کے کندھے پر تھا۔ اُس نے گہری سانس لی: ''کاش کوئی بھوت، کوئی چڑیل، کوئی بری آتما مجھے ہپ کر جائے''۔ اچانک بس ایک چیخ کے ساتھ رک گئی۔ کچھ ہی دیر میں وہ ایک پگڈنڈی سے گذر رہے تھے۔ دور گاؤں سے ٹمٹماتی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔

دھنی رام کے جگری دوست راجندر اور اس کی بیوی نے مہمانوں کی بڑی آؤ بھگت کی۔ اتنا بڑا گھر دیکھ کر نیلیما سوچنے لگی لاجو بھابی بڑی بھاگیہ وان ہے۔ راجندر اُسے اپنی دوستی کے قصّے مزے لے لے کر سنانے لگا مگر وہ اپنی سدھ کہیں اور بسرائے بیٹھی تھی۔ محض میزبانوں کی دلجوئی کے لیے کبھی کبھی مسکراتے ہوئے ہوں ہاں کرتی رہی۔ اس کے ذہن پر کئی خوفناک آوازیں تابڑتوڑ حملہ کر رہی تھیں۔ وہ آوازوں کے بھیانک پاتال سے نکلنا چاہتی تھی۔ دھنی رام سونے سے پہلے اس کے لیے چائے لے کر آیا۔ چائے پی کر اُسے لگا جیسے وہ کسی گہرے تال میں ڈوب رہی ہے۔ ڈوبتے ڈوبتے اُسے محسوس ہوا کہ اس کا انگ انگ ڈھیلا پڑ گیا۔ وہ بادلوں کے جھولے میں بیٹھی ہے اور کوئی دیوتا پینگ بڑھا رہا ہے۔ جیسے کوئی پراسرار اور ان دیکھی شکتی اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی۔ ایک ایسی شکتی جس کے بوتے پر وہ ساری دنیا کے راکشسوں سے بھڑ سکتی تھی۔ مختلف رنگوں کی ٹمٹماتی روشنی میں وہ لہرانے لگی۔ اس کے ہاتھ میں ہیرے جڑی ہوئی طلائی تلوار آ گئی۔ سارے راکشس اس کے سامنے تھے۔ اس کی آنکھوں میں لہو اتر آیا۔ تلوار زناٹا مار کے ہوا

میں لہرائی اور بنسی لال کی گردن پر گری۔ سر قلم ہونے پر خون کا فوارا چھوٹا:

''دور ہو گٹر کے کیڑے، تم نے کالی کے کرودھ کو للکارا۔''

فرش پر سرخ لہو کی ایک دھار بہنے لگی۔ بہتے بہتے لہو کا رنگ سیاہ ہونے لگا۔ پھر لالہ لچھمن داس کا سرتن سے جدا ہو گیا۔ نیلیما نے دونوں ہاتھوں سے تلوار کے قبضے کو پکڑ رکھا تھا۔ لالہ کی لاش فرش پر تڑپ رہی تھی:

''کمینے، پلک پٹے، بل بھکوے تُو اس یگ کا راون ہے۔''

وہ ہوا میں لہرانے لگی۔ اُس نے دیوار کا سہارا لینا چاہا مگر دیوار اس کے ہاتھ سے پھسل گئی۔ بڑی کوشش کے بعد اس نے قبضے پر ہاتھ جما کر خود کو تلوار کے سہارے کھڑا کیا اور دیر تک رن بھومی میں دھاڑتی ہوئی سارے راکشسوں کا سروناش کرتی رہی۔ فرش پر کھوپڑیوں کا ڈھیر جمع ہو گیا۔ اس کے سرخ ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ اس نے اپنے زرد سفید دامن کا کنارہ پھاڑ کر ایک لمبی دھجی نکالی اور اپنے سورما کو دے کر کہا:

''دھنی رام! یہ لے اور دنیا کے ہر راکشس کا گلا گھونٹ دے۔''

اس کی آواز میں غضب کی گرج تھی۔ دھنی رام یہ منظر دیکھ کر دہل گیا۔ اُسے لگا کہ نیلیما کے سر پر آسیب چڑھا ہے۔ پھر وہ ڈگمگا کر خون میں ڈوبی ہوئی لاشوں کے اوپر گر پڑی ___ اوندھے منہ۔

صبح اس کی آنکھ کھلی تو خمار سے اس کا سر بھاری تھا۔ اچانک وہ ٹھٹھک کر رہ گئی۔ اس کے کپڑے ایک مونڈھے پر بے ترتیب پڑے تھے۔ جسم کا انگ انگ ٹوٹا تھا۔ ساری شکتی غائب تھی، تلوار کھو گئی تھی۔ اس کے یدھمان نے ہی

عفریت بن کر اس کے ساتھ وشواس گھات کیا تھا۔

دھنی رام پانی بُجھائے ہوئے لوہے کی طرح سرد ہو کر منڈ کڑی مار کے بیٹھا تھا۔ اچانک جیسے لاوا پھٹ گیا:

"ارے وشواش گھاتی! بنا دیا مجھے نربل۔ اتنی بڑی گھات، اتنی گہری چال۔ تم نے چائے میں بیہوشی کی دوا ملا دی تھی۔ بتا کیا راجندر نے بھی____"

دھنی رام نے آگے بڑھ کر اس کے پیر پکڑ لئے:

"دیکھ نیلیما میں تمہیں دل سے چاہتا ہوں، تم سے بیاہ کروں گا، تم کو ساری عمر خوش رکھوں گا۔"

یہ سن کر نیلیما سٹ پٹا گئی۔ اس نے چادر ہٹائی اور چلّانے لگی:

"اسی سے پیار ہے تمہیں۔ بول؟ اسی سے شادی کرنی ہے۔"

دھنی رام نے منہ دوسری طرف کیا، فرش سے چادر اٹھا کر نیلیما کی طرف پھینکی اور دوڑ کے باہر چلا گیا____

دھنی اس کے بچپن کا دوست تھا۔

اس رات نے نیلیما کے جیون کے سارے راستے بند کر دیئے:

"اب کہاں جاؤں؟ گاؤں واپس جاؤں مگر رات کے پیٹ میں جو بیج پڑا اگر وہ کل کو پھوٹا تو پنچایت میں کیا جواب دوں گی____ الٹا دوش دے کر ننگا کر کے پھروایا گیا تو؟ واپس وہیں جاؤں جہاں سے آئی ہوں۔ مگر ان سے کس منہ سے بیج ناس کرنے کو کہوں؟"

وہ سوچتے سوچتے تھک گئی____

ہے رام اب میں کیا کروں؟

وہ بڑی دیر تک دھنی کا انتظار کرتی رہی۔ اس کے من میں عجیب طرح کے وسوسے پیدا ہونے لگے:

''کہاں گیا ہوگا؟ کہیں مجھے اس حالت میں اکیلا چھوڑ کے بھاگ تو نہیں گیا۔''

بچپن میں جب وہ اپنی بہنوں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتی تو اس کی بہنیں اُسے جھانسا دے کر اپنی ہم جولیوں کے ساتھ کھیلنے جاتیں۔ وہ دیوار کی طرف منہ کئے جب ''میں آؤں، میں آؤں؟'' پکار کر تھکتی تو پلٹ کر دیکھتی اور اپنی بہنوں کو نہ پا کر ٹسکتے ٹسکتے گھر جاتی جہاں اس کا باپ اُسے گود میں اٹھا کر آستین سے اس کے آنسو پونچھتا، اس کے میلے چہرے کو چومتا اور کہتا:

''کھا کھا کے کتنی موٹی ہوگئی ہے میری پھول بیٹی''۔

''بھابی! لاجو کام پر گئی ہے، دھنی آتا ہوگا، غسل خانے میں پانی رکھا ہے۔ نہا دھو کے ناشتہ کرلو۔''

راجندر کی آواز نے اُسے چونکا دیا:

''بھابی؟''

وہ سناٹے میں آ گئی۔ اُسے دھنی کی سب گھات سمجھ میں آ گئی۔

غسل خانہ مکان کے پچھواڑے میں تھا۔ ٹین کی دیواروں کو زنگ کھا گیا تھا اور وہ جگہ جگہ سے چھِدرا گئی تھیں۔ دھنی جب لوٹ کر آیا تو اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ اس کا جگری دوست ایک چھید سے آنکھ لگا کر غسل

خانے کے اندر دیکھ رہا تھا۔ وہ بوکھلا گیا:

''سالے! حرامی، بغل کے دشمن، مجھے کیا معلوم تھا کہ میں نے اجگر کے منہ میں پاؤں رکھا ہے۔''

غسل خانے میں سناٹا چھا گیا۔ نیلیما یہ شور وغوغا سن کر ہڑبڑاتے ہوئے باہر نکلی۔ اس کے گیلے کپڑوں سے صابن کی بھینی بھینی خوشبو میں بسی بھبگ اٹھ رہی تھی۔ دھنی راجندر کی چھاتی پر سوار ہو کر اُسے پیٹ رہا تھا۔ اس کے منہ سے جھاگ نکل رہا تھا۔ نیلیما نے دھنی کی باہ پکڑ لی اور اسے اٹھا کر راجندر سے دور کر دیا۔ راجندر نے کپڑوں سے مٹی جھاڑ دی، سر جھکاتے ہوئے اپنا جوتا نکالا اور ہاتھ جوڑ کر بنتی کی:

''دھنی! یہ لے، مار مجھے، کھال ادھیڑ دے میری، مگر یار لاجو سے____''

وہ رونے لگا۔

نیلیما کو جب حقیقت معلوم ہوئی تو اُسے محسوس ہوا کہ اگرچہ کھیت لٹ چکا ہے مگر اسے ایک باگڑ بلے کی ضرورت ہے۔

چنانچہ اس نے لدھیانہ پہنچتے ہی دھنی رام کے نام کا سندور مانگ میں ڈال دیا۔

باب دوم

گربھ کی کیل

اپریل کے مہینے میں دونوں لدھیانہ سے گھر لوٹ کر آئے۔ چراغ جلے بستی میں اُترے۔ سب کچھ دھندلا دھندلا سا تھا، دھندلی سڑک، سڑک کے دونوں کناروں پر دھندلے پیڑ، دھندلی بستی، دھندلے مکان، دھندلے گلی کوچے، دھندلا گھر، دھندلے چہرے، دھندلی آوازیں، نیلیما دھندلکوں میں اپنا کھویا ہوا کل ڈھونڈتے ڈھونڈتے کہیں گم ہوگئی۔ دھنی رام کے باپ نے دھندلی آواز میں پوچھا:

''یہ کیسا شور ہے؟ کون آیا ___ دھنی؟''

بوڑھے باپ نے پاؤں پر بیٹے کے ہاتھوں کا لمس پا کر تھرتھراتی باہیں پھیلا دیں:

''بہو کہاں ہے؟''

دونوں اس کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ اُس نے ٹٹول ٹٹول کر اپنا استخوانی ہاتھ

دونوں کے سر پر رکھا:

''جیتے رہو۔''

باہر کتے زور سے بھونک رہے تھے۔

صبح سویرے جنگل پھرنے کے بعد وہ اپنی جیٹھانی پدما کے ساتھ ندی پر ہاتھ منہ دھونے لگی۔ اُس نے ہاتھوں پر صابن ملتے ہوئے پوچھا:

''ان مردوں کو کب عورت کی عزت کا خیال آئے گا، اوٹ آڑ کا انتظام نہیں کرتے، شک بہت کرتے ہیں۔''

پدما نے منہ پر صابن ملا تھا۔ اس نے گردن اٹھائی اور آنکھیں میچ کر کہا:

''پگلی! یہاں عورت کی عزت اور خاک دونوں برابر ہے۔ اس طرف عورت کا تن ڈھانپنے کے لیے یا تو اندھیرا ہے یا پھر جھاڑ جھنکاڑ ـــــ اور اگر بھاگ پھوٹے تو یہی بیری بن جاتے ہیں ـــــ''

نیلیما نے معصومیت سے پوچھا:

''اور جو جھاڑی میں سانپ بچھو نے کاٹا؟''

پدما نے مسکراتے ہوئے کہا:

''اس ارگ استھان (۱) میں عورت ذات کو ایک ہی سانپ سے خطرہ ہے۔''

''کس سے؟''

۱: ارگ استھان: (ہندی) سانپوں کے رہنے کا مقام۔

''مرد سے اور کس سے۔''

پدما اندر چلی گئی۔

اجالا ہونے پر گھر کی حالت دیکھ کر نیلیما کو وحشت ہوگئی:

''کیا مجھے اسی ڈھنڈار کھنڈلی (۱) میں جوانی گذارنی ہے؟ بچے پیدا کرنے ہیں؟ بڑھاپا سسک سسک کر بتانا ہے اور ایک نامراد زندگی سے تھک ہار کر___''

اُسے پھریری آئی۔ اس کے ذہن میں گھر کا جو تصور تھا وہ ٹوٹ کر بکھر گیا ___ مٹی کا ڈھانچہ، بانس کے پٹوتن، زنگ کھائی ہوئی ٹین کی چھت، کچی اینٹوں کی دیواریں جن میں جگہ جگہ سے گارا سوکھ کر گر گیا تھا اور بڑے بڑے سوراخ بن گئے تھے۔ (پتہ نہیں ان دیواروں پر آخری بار کب پنڈول کا پچارا دیا گیا تھا) گیلی لکڑی سے بنائے گئے دروازوں کی بے ڈھنگ تختیاں سوکھ کر ٹیڑھی ہوگئی تھیں اور درمیان میں بڑے رخنے پیدا ہوگئے تھے ___ المونیم کے چند برتن جو جگہ جگہ سے پچک گئے تھے۔ مٹی کا دوا وہا چولھا ___ گجگجی مٹی پر بے ترتیب بچھی ہوئی بوسیدہ دری جس کے جگہ جگہ پر پھوسڑے نکل آئے تھے۔ اس نے دری اٹھا کے دیکھا تو نیچے کیڑے کلبلا رہے تھے جدھر دیکھو گُجیا ہی گُجیا۔ وہ میلا چکٹ بستر تہہ کرنے لگی تو اس کا جی متلایا۔ رضائیوں اور تلائیوں پر جمع ہوئے میل اور غلاظت کے داغ چمک رہے تھے۔ کمرے میں جرابوں، پسینے اور

---

(۱): ڈھنڈار کھنڈلی: (ہندی) ویران اور ڈراؤنی جھونپڑی۔

سستے تیل کی بدبو کے بھبکے اڑ رہے تھے:

"چولھے آگ نہ گھڑے پانی"

کیا یہی گھر ہوتا ہے___ اُسے دھنی رام پر سخت غصہ آیا۔

کچھ روز گھر میں مہمانوں کی آمدورفت رہی۔ دھنی کے پاس والے سب آ گئے۔ نیلیما مارے خاطر کے بچھ بچھ گئی۔ وہ ہر مہمان کے ساتھ مسکراتے ہوئے گلی تک جاتی۔ ایک نظر حسرت بھری اس طرف ڈالتی جہاں اس کا میکا تھا___ اسے ہول آجاتا۔ میکے کی طرف سے ابھی کسی نے اس کی خبر نہ لی تھی ___ مگر میکا؟ کیسا میکا؟ چار بہنیں چنچل، سمیتا، ببیتا، سمن اور ایک بھائی وجے۔ چنچل اور سمیتا کہیں دور بیاہی گئی ہیں۔ ببیتا نے بنسی کے ساتھ گندھرو وواہ کر کے میکے میں ہی ڈیرہ ڈال دیا۔ سمن روپیش نام کے ایک شادی شدہ ایجنٹ کے جھانسے میں آ گئی۔ کیونکہ اس پیشے میں مرد کے ساتھ ایک عورت کا ہونا لازمی ہے اس لیے روپیش نے سمن کے گھر کی معاشی بدحالی کا فائدہ اٹھایا اور اُسے بہلا پھسلا کر کاروبار میں شریک ہونے پر مجبور کیا۔ وہ کئی برسوں سے سمن کا استحصال کر رہا ہے۔ بنسی نکھٹو ہے اس لیے گھر کی کفالت کا سارا بوجھ سمن کے کاندھوں پر آ گیا۔ سمن اب بھی اس دن کا انتظار کر رہی ہے جب روپیش شادی کا وعدہ پورا کرے گا۔ وجے نے ایک بیاہتا استری کو اس کے پہلے خاوند کے بیٹے کے ساتھ گھر میں بٹھا دیا۔ پھر ایک دن شراب کے نشے میں ادھیڑ عمر کی ماں کی چوٹی پکڑ لی اور گھر سے باہر کر دیا۔ وہ بے سہارا و دواہ پردیس میں ایک معذور امیر زادی کے مل مُوتر کرانے کا پُن کما رہی ہے۔

دھنی رام کے سب رشتہ دار نیلیما کی سُندرتا، سکل سبھاؤ(ا)، اور آؤ آدر کے ڈھنگ پر ریجھ گئے:

''بڑی گنونتی اور لاجونتی ناری ہے۔''

پدما کے کلیجے پر سانپ لوٹنے لگا۔ وہ وقت بے وقت زہر میں بجھے ہوئے تیر مارنے لگی۔ دھنی گھنی سادھ کے بیٹھتا اس بات نے نیلیما کو دکھی کر دیا___ عورت کا سارا مان مرد سے ہوتا ہے۔ نیلیما کو جب معلوم ہوا کہ بیتا کے بچّے دن میں کئی بار ایک ہمسائے کے گھر میں چھُپ کر اُسے دیکھتے رہتے ہیں۔ تو اس سے رہا نہ گیا اور خود میکے چلی گئی۔

جب وہ میکے پہنچی بیتا نے چولھے پر بگھار کے لیے تیل رکھا تھا۔ ابلتے تیل پر جب ترکاری پڑ گئی تو کڑکڑاہٹ گلی تک سنائی دی۔ نیلیما نے باہر سے ہی پکتے تیل کی بو سونگھ لی:

''کیا پکایا جا رہا ہے؟''

اُس نے دروازہ کھول کر پوچھا۔ بیتا چولہا چھوڑ کر بھاگتی آئی اور چھوٹی کو گلے لگایا:

''کہاں تھی اتنے دن۔ کیسی ہے تو؟''

دونوں بہنیں مل مل کر روئیں۔ کمرے میں بنسی لال لنگی چڑھائے اونگھ رہا تھا۔ اُس نے یکا یک جب نیلیما کو دیکھا تو ہڑبڑاہٹ میں لنگی درست

(ا): سکل سبھاؤ: (ہندی) خاندانی خصلت۔ نیک برتاؤ۔

کر کے کمرے سے نکلنے لگا۔نیلیما نے اس کی باہ پکڑ لی:

''ادھر بیٹھیے جیجا جی!''

بنسی کی آنکھیں زمین سے لگ گئیں۔

''ارے آپ تو دولہے کی طرح شرمانے لگے۔''

نیلیما نے چھیڑتے ہوئے کہا۔بنسی کی گردن جھکی ہوئی تھی:

''معاف کرنا،کڑی ٹھوکر کھائی۔''

نیلیما نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے تسلّی دی:

''پچھتاوے سے پاپ دھل جاتے ہیں۔''

بنسی نے نظر اٹھا کر پوچھا:

''تم کیسی ہو؟''

''میری چھوڑیئے۔بچے کیسے ہیں،کہاں ہیں سب؟''

نیلیما کی دریا دلی دیکھ کر اسکی بہن نے اُسے چوم کر کہا:

''سمن بڑی بہن کے پاس گئی ہے ___ بچے یہیں کہیں کھیل رہے ہوں گے۔''

وہ یہ کہہ رہی تھی کہ بچے غل مچاتے ہوئے آ گئے:

''موسی موسی۔''

دونوں نے موسی کو گلے سے لگایا۔چھوٹی نے توتلاتے ہوئے کہا:

''موسی اب ہم تم سے کچھ نہیں مانگیں گے۔ہمیں کچھ نہیں چاہیے مٹھائی بھی نہیں،کپڑے کھلونے کچھ نہیں۔''

وہ رو رہی تھی۔ نیلیما نے اُسے زور سے بھینچتے ہوئے کہا:

”کیوں نہیں چاہیے رانی بیٹا کو یہ سب، موسی لائے گی میرے بچے!“

بچی نے ہاتھ سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا:

”پتہ ہے جب ہم نے اماں سے پوچھا کہ موسی کیوں چلی گئی تو وہ بولی تم چیزیں مانگ کے تنگ کرتے ہو اسی لیے___ اب کہیں مت جانا“

اتنے میں شکنتلا نانی آئی۔ نیلیما کو دیکھ کر اس کے ہاتھ سے لاٹھی چھوٹ کر فرش پر گر پڑی۔ نیلیما نے دوڑ کر اُسے گلے لگایا۔ نانی نے خوب اچھی طرح چوما اور اپنے ضعیف ہاتھ اُس کے پسواڑے پر پھیر کر کہا:

”کتنی دُبلی ہوگئی ہے اپنے بابا کی پھول بیٹی___“

یہ سن کر بیتا رونے لگی۔ نیلیما کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ بچوں نے ماں کا دوپٹہ کھینچ کر آنسو پونچھ لئے:

”اری کچھ مٹھائی لاؤ بیتا! ہماری پھول بیٹی اتنے دنوں کے بعد گھر آ گئی ہے، داماد جی ہوتے تو_____“

یہ کہہ کر نانی نے دونوں ہتھیلیاں منہ پر رکھیں۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر جھرّیوں میں کہیں گم ہو گئے_____

وہ ان کی دور کی نانی تھی۔

●

اس گاؤں کے پہلو میں لمبا بل کھا کے گذرنے والی یہ ندی گھر گھر کی بھیدی ہے، مگر اس نے کسی کی لنکا نہیں ڈھائی کیونکہ اس لنکا میں جو چھوٹا سو باون گز کا۔ ماں کی کوکھ سے نکل کر بچے کو پہلی بار اسی ندی کے پانی سے نہلایا جاتا ہے۔ مرتے وقت اسی کا پانی چھوایا جاتا ہے، اور اسی کے پانی سے غسل دے کر کسی کال بنجر میں ٹھکانے لگایا جاتا ہے۔ جیون مرن، جوگ سنجوگ اور روگ دھوگ کا کھیل ندی کے کنارے صدیوں سے کھیلا جا رہا ہے۔

بھوک سے بلکتے ہوئے بچوں کی ماں جب اپنے جگر کے ٹکڑوں کو مار مار کے تھک جاتی ہے تو اپنا جسم کھول کر خود کو جبر کی ٹِکٹِکی (۱) سے باندھ لیتی ہے۔ پھر اس پر ہوس کے بے تحاشا کوڑے برسنے لگتے ہیں___ سڑاسڑ سڑاسڑ___ ہوا میں لہراتے کوڑوں کے زناٹوں سے ندی کی لہروں میں سنسنی پھیل جاتی ہے۔ صدیوں سے ایسے ٹولے پڑے جسموں کو یہی ندی مامتا سے سینکتی ہے۔

گھر سے ہزاروں میل دور بڑے شہروں کے کارخانوں یا رئیسوں کی کوٹھیوں میں اپنی جوانی کے دن رات جھونکنے والا مرد کیا جانے کہ ریلوے

---

(۱): لکڑی یا لوہے کا ڈھانچہ جس کے ساتھ مجرموں کے ہاتھ پاؤں باندھ کر کوڑے مارتے ہیں۔

اسٹیشن پر اس کی جیون ساتھی نے اپنے معصوم بچے سے کیوں کہلوایا تھا:

"بابا جلدی آ جانا۔"

بابا تو نہیں آتا لیکن جب ساون آتا ہے تو ہر جھڑی کے ساتھ بروگن کے تن سے آگ کی لپٹیں نکلتی ہیں۔ ندی کا پانی ایسی تونس (۱) سے تھر تھرانے لگتا ہے۔

جھاڑیوں پر پھُر پھُراتے ہوئے کپڑے جب دھوپ کی تمازت سے سوکھنے لگتے ہیں تو پھینکے ہوئے جوان کنوارے جسموں کے انگ انگ پر اداسی چھا جاتی ہے۔ ندی میں نہا کے بڑی دیر تک رسمسے کپڑے اتارنے کو جی نہیں کرتا۔

سنسار کے بھنور جال، اور موہ مایا کے شکنجوں سے مکتی پانے والوں کی لاشیں جب گھاٹ پر اتاری جاتی ہیں تو واویلا کرنے والوں سے زیادہ ندی کو گیان ہوتا ہے کہ کس نے کال چکر سے گھبرا کر پران اس کی گود میں تیاگ دیئے اور اس کی گہرائی میں کس دکھیارے کا دل اپنے جیون ساتھی کی بے وفائی کا الاہنا دیتے ہوئے کب آخری بار دھڑکا تھا۔ جیون مرن، جوگ سنجوگ، روگ دھوگ کا یہ کھیل کتنا سچا ہے لیکن کتنا ادبھت ____

ندی کنارے اس ابھاگن کا گھر بھی ہے جس کا پتی ایک بیاہتا کے ساتھ بھاگ گیا۔ کچھ روز دکھیاری پچھاڑیں کھا کھا کے روئی۔ دان دِلاسا دینے والا

---

(۱) تونس: وہ پیاس جو کسی طرح نہ بجھے۔

آفت کی چھپ، ٹھمک، ٹھسّا اور اس پر اٹکھیلی چال۔"

پدما بات کو آگے بڑھانا چاہتی تھی:

"کیا مطلب؟"

کاکی کو شہہ ملی:

"مطلب یہ کہ ایک تو سگھٹ تن (۱) اس پر مہنگا جوڑا۔"

کاکی نے ہاتھ اٹھا کے اشارے سے دکھاتے ہوئے کہا:

"ادھر تم سے دو گز آگے کل اسی تٹ پر سر دھو رہی تھی۔ ننّدو کی سوگند سر دھونے کا ایسا صابن آج تک میں نے نہیں دیکھا۔ اری وہی لبلسا صابن جو بوتل میں ہوتا ہے۔ ایسی خوشبو کہ کیا کہتے ہیں بھونرے منڈلانے لگے۔ اور جو جھاگ بہنے لگا تو وہ تر مرے تیرنے لگے مانو کہ کیا کہتے ہیں جیسے کسی نے پانی میں تیلڑی لنڈھائی ہو۔ کہتی تھی بدیسی صابن ہے۔"

پدما کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس پر سنگیتا نے تیل چھڑک دیا:

"بھاگیہ وانوں کو ہی ایسے خصم ملتے ہیں ایک میں ہوں خصموں جلی۔"

پدما نے منہ بنا کر کہا:

"ہونہہ! بھاگیہ وان میری جوتی ___ نگوڑی یہ سب فتنے مالک کے یہاں سے لائی تھی۔"

---

(۱): سگھٹ تن: (ہندی) سڈول جسم۔

کا کی نے انکار میں سر ہلایا:

''نہیں بھئی! کپڑے تو کسی طرح اُترن نہیں لگتے اور فتنوں کا میں کہہ نہیں سکتی۔۔۔''

پدما خاموش ہوگئی۔ مگر سنگیتا اپنے جگر کے پھپھولے نکالنے کے لیے قصے کو طول دینا چاہتی تھی:

''رام جانے اور کیا کیا فتنے لے کر آئی ہے؟''

پدما سوچ میں پڑ گئی:

''میں سمجھی نہیں۔''

''دیکھو بہن! میری عادت نہیں کہ لگائی لتری کروں، مگر جو سنا ہے وہ کہے بغیر بھی نہیں رہ سکتی۔''

سنگیتا نے بات ادھوری چھوڑی۔ پدما بات کی گہرائی تک جانا چاہتی تھی:

''مگر کیا سنا ہے تم نے؟''

سنگیتا اِدھر اُدھر جھانک کر بولی:

''اری یہی کہ بڑے گلچھرے اڑائے ہیں اس نے۔۔۔ کسی موئی نے یہ بھی کہا کہ جو پھول وہاں کھلائے ہیں ان کی سگندھ بھی ساتھ لے کر آئی ہے۔''

پدما اتنی بھی بے وقوف نہ تھی۔ اشارہ سمجھ گئی:

''نہیں ری! ایسی بات نہیں۔۔۔ میرا دیور اتنا بھی بدھو نہیں کہ تین مہینے تک اس بات سے بے خبر رہے کہ جورو مہینے سے نہیں۔''

موہنی پتھر کی سِل پر کپڑے پھینچ پھٹکار رہی تھی۔ بھلا وہ کسی سے پیچھے کہاں رہتی، جھٹ سے بولی:

''اری جھوٹ موٹ کا لتا لگایا ہوگا، دیکھنا بیٹھک نہ لگی تو موہنی میرا نام نہیں۔''

پدما بولی:

''مگر موہنی! تین مہینوں کے بعد تو پیٹ گدرانے لگتا ہے''۔

موہنی نے کان پکڑ کر کہا:

''توبہ توبہ! کچھ پیٹ چوٹٹیاں بھی ہوتی ہیں۔نو مہینے تک پتہ ہی نہیں چلتا کہ گل کھلایا ہے۔''

کاکی کو لگا کہ وہ پچھڑ گئی۔ اُس نے ایک ہی اَلنگن ماری اور پدما کو ہمدردانہ لہجے میں صلاح دی ڈالی:

''دیکھ پدما! اپنی گرہستی کی چنتا کر۔ کہیں یہ باڑ تمہارے گھر کو بہانہ لے جائے۔''

پدما جیسے ہار مان گئی، مگر چہرے پر دکھاوے کا جوش لا کر بولی:

''کاکی! ایک تو اس کا جھر کٹ (۱) مرد ہر آن اس کے آس پاس کنڈل مار کے بیٹھا رہتا ہے، دوسرا اگر میری چوکھٹ پھلانگنے کی کوشش کی تو پھن مارنے سے پہلے میں ناگن کا سر نہ کچل دوں؟''

---

(۱): جھر کٹ: دبلا پتلا، مرجھایا ہوا۔

کاکی مطمئن نہ ہوئی:

''پھر بھی چتاونی دیتی ہوں۔ بیر کے رشتے نے کتنے گھر پھونک ڈالے ہیں۔ دیورانی گربھ کی کیل (۱) تو ہوتی ہی ہے، پھر مرد ذات کا کیا بھروسہ ___ چکنے گھڑے کبھی بھی پھسل سکتے ہیں۔''

موہنی نے پوچھا:

''تمہارا دیور کسی کام دھندے پر لگ گیا کہ نہیں؟''

پدما بولی:

''کہاں ابھی بیوی کے چاؤ چوچلوں میں ہی لگا ہے۔''

کاکی نے سر پر کپڑوں کی گٹھری لاد کر کہا:

''چلو بھئی بھگوان سب کا بھلا کرے۔''

اور چل دی۔ چلتے چلتے تاک میں بیٹھے تاڑبازوں کی طرف چلّائی:

''کوئی کام دھندہ ہے کہ نہیں؟ یا پھر بہو بیٹیوں کو تاکنے کی مزدوری ملتی ہے؟''

سب عورتیں ہنس پڑیں۔ پدما کا دل خوف سے بیٹھ گیا۔ اس نے خود کو تسلی دی۔

''کاکی بھی رسّی کا سانپ بنا دیتی ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ تو گور کھودمو کو، میں گاڑ آؤں تو کو۔''

---

(۱): گربھ کی کیل: (بھوجپوری) ترکھانوں کی اصطلاح میں وہ کیل جس کی ٹوپی ٹھونکتے وقت کاٹی جاتی ہے۔ اس کیل کا نکالنا محال ہوتا ہے۔

●

ہے دیوی!

کرپالو دیوی!

اپنی سنتان کے کشٹوں کو ہرن کرنے والی ماتا!

کرپا، کرپا، ماتا کرپا ــــ

ہے برفیلے پربتوں کی پتری!

سارے جگت کی ماتا!

سرشٹی ماتا!

پرتھوی کی رکھشا کر

کرپا کرــــ

جیون کو پروساہت کرنے والی ماتا

جگت کی نیو، پالن ہار

تم سے ہی اوتار بلوان

دھندکار مٹانے والی ماتا

تم دھرتی کا بیج مہان

کیسے نمن کریں

سرشٹی ماتا

دھرتی باسیوں کو آپتی سے بچاؤ

ہے درگا! مہا کالی، پاروتی، مہامائی نمن تمہیں۔

باب سوم

دشٹ بھاؤ

ایک بیٹی، ایک بیوی ___ آس اولاد والی ماں اور سب سے بڑھ کر ایک عورت کا انجام اس قدر دردناک ہوسکتا ہے، کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔

درگاماں جیون کے لمبے سنکٹ سے مکت ہوگئی۔

دکھیاری کی لاش پو پھٹتے ہی لالہ کی دکان کے تھڑے پر پائی گئی۔ میلی کچیلی چادر میں لپٹی ہوئی کاٹھ کی ارتھی پر جیون کتھا کی اس ابھاگی رچیتا کا مردہ سڑک سے اٹھا ___ کوئی آنکھ نم نہیں، کسی کے منہ پر آہ نہیں۔

رام نام ست ہے

ایک ویران گوشے میں ڈولا اترا۔ دھرتی کا بوجھ دھرتی میں سمایا۔

شرابی باپ کو کبھی سدھ نہ رہی کہ جوان بیٹی کی چولی کیوں جگہ جگہ سے مسک رہی ہے، کیوں ٹانکے ادھڑ رہے ہیں اور جب چھید بڑھنے لگے جوبن جھانکنے لگا، پھر نظریں للچانے لگیں۔ جن ہاتھوں میں مہندی لگنی تھی اُن میں مزدوری کرتے کرتے چھالے پڑ گئے۔ جن آنکھوں میں جوانی کے

ڈورے چھوٹنے تھے وہ دھویں سے دھندلا گئیں۔ پھر نہ کوئی بارات آئی، نہ منڈپ سجا، نہ ڈولی اُٹھی اور نہ بابل گایا گیا۔ ہری رام اسے بھگا کر لے گیا۔ ہوس کا پودا پھلتے پھولتے چھتنار درخت بن گیا۔ اوپر تلے پانچ بچے پیدا کرنے والی ماں کے لچھن جب جھڑ گئے (۱) تو ہری رام کسی دوسری درگا کو بھگا کر لے گیا۔ پھر سنگھرش کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا۔ شہر شہر، گلی گلی، گھر گھر لوگوں کے پوتڑے صاف کرنے کی ذلت آمیز چاکری۔ وقت کی جس سیڑھی کے زینے چڑھتے چڑھتے بچے جوان ہو گئے، اسی کی دوسری طرف اترتے اترتے ماں بوڑھی ہو گئی۔ پھر وہ بجوگ پڑا کہ پانچ بیٹوں کی ماں اپنے سابقہ مالکوں کے یہاں بھیک مانگ کر گذارہ کرنے لگی، دربدر۔ شاید وہ اس دھرتی کی آخری پکار سن کر جیون بھر کے دکھوں کی گٹھری کاندھے پر اٹھائے گاؤں واپس آئی تھی۔ دھرتی کی امانت دھرتی کو سونپنے ــــ

لالہ کی دکان بند تھی۔ دن ڈھلنے سے پہلے ہی سارا گاؤں سنسان ہو گیا۔ لوگ اپنے گھروں میں کھڑکیاں اور دروازے بند کئے سہمے پڑے تھے۔ جیسے کسی بربر لشکر نے قتل عام کی غرض سے گاؤں کو محاصرے میں لیا تھا۔ دہشت کی وجہ کھوڑ (۲) تھی۔

درگا ماں سارے گاؤں سے ناراض تھی۔

---

(۱): لچھن جھڑنا: رنگ وروپ جاتا رہنا۔

(۲): کھوڑ: مرے ہوئے بزرگ کی ناراضگی۔

یکا یک آسمان پر سیاہ بادل چھا گئے۔ کیلاش پربت کو کرودھ آیا۔ ایسی آندھی آئی کہ ہوا کے تھپیڑوں سے گھنے تناور درختوں کی شاخیں، چھتوں کی گھاس پھوس سب کچھ پھٹکن کی طرح دور دور تک بکھرنے لگا۔ گدا گدا ایسے اولے برسے مانو چھت کو چھید کر کھوپڑیوں کو چکنا چور کر دیں۔ میگھ پتی جاگ گیا۔ پھر وہ مینہ برسا لگا کہ گھر کے گھر بیٹھ جائیں گے۔ اس کے بعد قبرستان کا سناٹا چھا گیا اور کسی درخت کی شاخ پر اُلو بولنے لگا۔

شام سے ہی نیلیما کی طبیعت میں بل پڑ گیا۔ جسم بخار سے تپ رہا تھا۔ انگ انگ میں اینٹھن تھی۔ وہ بستر پر پڑی کراہتے کراہتے تھک گئی۔ آدھی رات کا سماں تھا کہ اچانک کالے رنگ کی ایک کتیا دروازے کے پاس دھاڑیں مار مار کے رونے لگی۔ اس دردناک دھاڑ سے گھر کا گھر جاگ گیا۔ خوف کے مارے سب کا دم فنا ہوا۔ نیلیما نے کراہنا بند کیا۔ رات کے آخری پہر کتیا روتے روتے تھک گئی۔ درد سے تڑپتی ترستی نیلیما کو کب گہری نیند نے آن لیا اُسے پتہ ہی نہ چلا۔ صبح اُسے کئی خوفناک آوازوں نے جگایا۔

''میں تو کہتی ہوں اس منحوس پر بھوت پریت کا سایہ ہے۔ کوئی بری آتما فدا ہے اس پر___''

''کیا بکتی ہو۔ کسی ڈائن نے کیتا کو بس میں کر کے ہم پر چھوڑ دیا ہے۔''

''شاید کتیا نے درگا ماں کی آتما دیکھی ہو___ بھٹکتی آتما۔''

''میرے وچار میں یمراج ابھی گاؤں میں ہی پدھارے ہیں۔''

''بھگوان جانے موت کا تانڈو کب تک چلے گا۔ لگتا ہے گھر کے گھر

صاف ہو جائیں گے۔"

"دھنی رام سے کہو ترنت او جھے کو لے کر آئے۔"

"کہاں ہے دھنی رام؟"

یہ سن کر نیلیما کے ہوش اڑ گئے:

"دھنی رام!" وہ کراہنے لگی۔

"اماں! اماں! چاچی کی آنکھیں سفید ہو گئی ہیں۔

چہرے پر زردی چھائی ہے۔"

پدما کے منجھلے بیٹے نے ماں کو یہ دل دہلانے والی خبر دی۔ اس نے سینہ پیٹتے ہوئے کہا:

"مجھے پہلے سے ہی شک تھا کہ یہ ڈائن ہے۔ ہائے اب میں کیا کروں؟ یہ میرے بچوں کو کھا جائے گی۔"

نیلیما کو لگا جیسے اُسے دہکتی آگ کے بپھرے ہوئے شعلوں کا کفن پہنایا جا رہا ہے۔ جیسے سارا گاؤں اس پر پتھر مار رہا ہے اور وہ تڑپ تڑپ کر سِسک سِسک کر پران تیاگ رہی ہے۔ وہ بے ہوش ہو گئی۔

سات دن تک وہ نیم بے ہوشی کے عالم میں تڑپتی رہی۔ سب او جھے، تانترک، جھاڑ پھونک کرنے والے، پری خواں تھک گئے، نہ نجار اترا نہ پاؤں کی سوجھن گئی۔ آخر پر ایک مسانیا (ا) بولا کہ نیلیما کو کسی خبیث روح نے

(ا): مسانیا: خبیث ارواح کو نکالنے والا۔

قابو میں کیا ہے۔ یہ آتما کئی جنموں سے اس کے تعاقب میں ہے، اسے اندر ہی اندر گلا کر دم لے گی۔ دھنی رام نیلیما سے کھچا کھچا رہنے لگا۔

●

نرملا دیوی کا قصہ بھی دردناک ہے۔ اس کی ماں کانتا دیوی ماتا پتا کی اکلوتی اولاد تھی۔ بڑے چاؤ چوچلے میں پرورش ہوئی۔ جوانی چڑھی تو کئی گھروں سے رشتے آنے لگے۔ مگر وہ کرم چند کو اپنا دل دے بیٹھی تھی۔ ساری عمر ساتھ نبھانے کا وعدہ کر کے کرم چند ایک دن ڈھیر ساری دولت کمانے کے لیے گھر سے جو نکلا تو کئی برسوں تک لوٹ کے نہ آیا اور نہ کانتا کی کوئی سدھ لی۔ کانتا کی جوانی جب گھر کی دہلیز پار کر گئی تو کئی سودائیوں نے اس کا چھلّا لال کر کے اپنے جسم پر لگایا۔ یہ دیکھ کر باپ کے سینے پر ناگ لوٹنے لگا۔ بڑے جتن سے بیٹی کو منا کر سوہن لال کے گلے منڈھا۔ ایک سال کے بعد نرملا دیوی کا جنم ہوا۔ وہ تین برس کی تھی کہ کرم چند جھک مار کے واپس لوٹا۔ پریم کا پرانا انگور پھٹ کر رِسنے لگا۔ لُکاتے چھپاتے میل ملاپ ہونے لگا۔ ایک دن جب سوہن لال نے رنگے ہاتھوں پکڑا تو غیرت سے ندی میں کود کر جان دی۔ کانتا دیوی نے اپنے مرد کی ارتھی پر سہاگ کی چوڑیاں چٹ چٹ توڑ کر دونوں باہوں کو خونم خون کر دیا۔ حسن سوگوار ہوا تو چاہنے والوں کے دلوں پر بان چلے۔ کرم چند کا کانتا کے گھر میں نکلنا بیٹھنا لگا رہا۔ ادھر مانگ سے سندور اترتے ہی

کانتا کے جسم میں کنوارے پن کی چلبلاہٹ اور چلچلاہٹ عود کر آئی۔ وقت گزرتا گیا۔ پھر ایک دن وہ بھی آیا کہ کرم چند کی نگاہیں جوان نرملا پر ٹک گئیں۔ وہ بال مونچھ خضاب سے رنگنے لگا۔ چپکے چپکے نرملا کو تحفے بھی دینے لگا۔ ماں نے دیکھا کہ اجگر نے مجھے نگل کر اب بیٹی پر کنڈلی کس لی ہے تو منہ کھولنے سے پہلے ہی وار کیا۔ کہتے ہیں جس رات کانتا نے کرم چند کو زہر دیا وہ اس کے پہلو میں پاؤں پیٹ پیٹ کر، پھڑک پھڑک کر مر گیا۔ اس کے منہ سے جھاگ کے ریلے بہتے رہے اور کانتا ڈائن کی طرح اُسے چمکارتی رہی۔ کچھ برس بعد جیل سے جو چھوٹی تو غائب ہو گئی۔ بڑے دنوں تک گاؤں میں چہ میگوئیاں ہوتی رہیں:

''کسی کے ساتھ بھاگ گئی ___ رنڈی سالی۔''

''ندی میں کود کر جان دی رذیل نے۔''

''بیتال لے کے اڑا جنم جلی کو۔''

نرملا سڑک کنارے کے اس لاوارث پیڑ کی طرح ہو گئی جس پر چڑھنے والے چڑھ کر اور جن میں چڑھنے کی سکت نہ ہو وہ پتھر مار کر پھل توڑتے ہیں۔ بہت جب ٹپکا ٹپکی ہوئی تو گاؤں کے ایک رنڈوے مادھو کو اس کی دُردشا پر دیا آئی اور سات پھیرے لے کر اس کے دکھ سکھ کا ساتھی بن گیا۔ تین چار سال تک جب نرملا دیوی کی گود ہری نہ ہوئی تو مادھو گاؤں میں آنکھ جھینپتے ہوئے چلنے لگا۔ پھر ایک دن وہ کسی شہر کی طرف کوچ کر گیا جہاں اُسے اچھی

نوکری ملی تھی۔ نوکری تو وہ کہیں اور کرتا تھا مگر مزدوری اپنی بیوی سے لیتا تھا۔ مہینے کے مہینے۔ سال میں ایک بار کچھ دن کے لیے گاؤں آتا تھا۔

●

نرملا کمرے میں داخل ہوئی تو دھنی آنکھیں جھکا کر جھٹ سے باہر نکل گیا۔ جیسے دردزہ سے تڑپتی ہوئی عورت کے پاس دایہ کو آتا دیکھ کر مرد فوراً اُٹھ کر تخلیہ کرتے ہیں۔ نیلیما نے نرملا کو دیکھ کر مسکوڑ الیا اور منہ دوسری طرف پھیرا۔

”یہ ناگن ادھر کہاں مرنے آئی؟“

نرملا نے اپنے پلّو سے نیلیما کے چہرے کا پسینہ پونچھتے ہوئے کہا:

”میں جانتی ہوں تیری بے رخی کا کیا کارن ہے۔ تو نے میرے اور دھنی کے بارے میں جانے کیا کیا کتھا سنی ہوگی۔ مانتی ہوں میں بری عورت ہوں مگر یہاں بھلا کون ہے؟ مجھے ایک دکھا میں اس پر واری جاؤں گی۔ اس کی داسی بن کر اس کے چرنوں میں جیون بتادوں گی۔ مگر رانڈ رہے جو رنڈوے رہنے دیں۔ یہ دھنی اس سے مجھے بڑی آشا تھی کہ پردیس میں رہ کر گنی بن جائے گا، اچھے لچھن اپنائے گا۔ مگر سوگند لو جو اسے باہر کی ہوا ذرا بھی لگی ہو۔ ویسے یہاں کے لونڈے پیٹ میں ہی پاؤں نکالتے ہیں مگر یہ کچھ زیادہ ہی دشٹ بھاؤ(۱) ہے۔“

---

(۱): دشٹ بھاؤ: (ہندی) بدطینت۔ پیدائشی بدمعاش۔

نیلیما نے کروٹ بدلی اور چت ہو کر لیٹ گئی۔ نرملا نے اس کے سر کے نیچے سرہانہ رکھ دیا۔ نیلیما کو احساس ہوا کہ عورت بُری ہے مگر ممتا سے بھری۔ نرملا نے قصے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا:

''پچھلے برس کیرلا سے آیا۔''

نیلیما نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا:

''کون؟''

''یہی تیلیا مسان (ا)، اس کا مکھڑا تیرے تلوؤں کو بھی نہ پہنچے۔ وہ کھجلی اٹھی تھی کہ میرے آگے پیچھے لوٹ لگانے لگا۔ میں نے بہتیرا سمجھایا کہ میرے مرد کو جانے دو مگر یہ ترنت کنویں میں ڈول ڈالنے پر اتا ولا تھا۔ دن دہاڑے گھر پھاند کے آدھمکا۔ ہاتھ جوڑ کر گڑگڑانے لگا۔ میں نے کہا دھنیا سالے! میرا مرد تیرے تائے کا بیٹا ہے۔ میں تو تیری بھوجائی ہوں۔ اس پر بھی سنکوچ نہ کیا اور لگا ہانپنے۔ مادھو کہیں سے نکل پڑا۔ دروازہ دھڑدھڑانے لگا___ یہ لپوڑیا ہڑبڑی میں کھڑکی سے کود کر رفو چکر ہوا۔ پیچھے اپنی لنگی چھوڑ دی۔ مادھو نے اندر آکر کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ میں گھبرائی کہ اب سارا گھر کھلیان کر دے گا۔ مگر اس لوچڑے نے تیرے مرد کی لنگی اٹھا کر پہن لی اور بازار میں تنتنا پیٹتا رہا کئی دن تک یہ کنجر کھڑکی پر آکر منتیں کرنے لگا کہ بھابی میری لنگی واپس دلا دو، میرے پاس ایک ہی ہے۔ اے ہاں میں ایک بات کہنا بھول

(ا): تیلیا مسان: بہت گندا اور کالا آدمی۔

ہی گئی۔''

وہ مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہوگئی، اس کا پیٹ تھل تھل ہچکولے کھانے لگا:

''اس لچے کی جیب میں صرف سو روپے تھے، دو سو میں نے جانگھی کے نیفے سے انگلی ڈال کر نکالے۔''

ہنستے ہنستے اس کی آنکھیں بھر آئیں اور کاجل بہہ کر بکھرنے لگا:

''اور تمہارا جیٹھ، بھگوان بچائے۔''

اس نے دونوں کان پکڑ لئے:

''اس کی پیاس کا چٹکا۔''

وہ ہنس رہی تھی:

''یہاں کوئی پرش لنگوٹ کا سچا نہیں۔ کوئی مہلا لاجونتی نہیں۔ کیوں بانبی میں تو نے ہاتھ ڈالا؟''

نیلیما کافی دیر تک سمجھ نہ پائی کہ وہ کس سے زیادہ نفرت کرے، نرملا سے یا دھنی رام سے۔

اچانک نرملا کے لہجے میں درد بھر آیا، بولی: —

''ہائے میں واری جاؤں، یہ پیلا مکھڑا دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ کیسا بھرا بھرا شریر سوکھ کے کانپ ہوگیا ہے۔ کھنگر لگ گئے ہیں۔ دیکھ بہن! بھگوان انسانوں کی طرح کٹھور نہیں جو پھول سے تن پر انگارے برسانے لگے۔ اس کا شاسن اتنا کمزور نہیں کہ آتمائیں جہاں کہیں بھی ہوں، ہڑدھنگ مچا کر، رکھوالوں کو روندتے ہوئے باہر ادھم مچانے کے لیے آجائیں۔ میں نے کتنے

نشاچروں (۱) کو اندھیری رات میں کفن پہن کر اپنی چوکھٹ پر مرتے دیکھا ہے۔ یہ جھاڑ پھونک، ٹونے ٹوٹکے، تعویذ گنڈے، دھانس دھواں، دھونی۔ سب ڈھکوسلا ہے تجھے دوا دارو کی ضرورت ہے۔ کہو تو دواخانے لے جاؤں۔ سمجھ میں نہیں آتا اس پھوکل کلٹ (۲) نے تم پر کیسے کمپا لگا دیا؟''

اس نے انگیائی کی کٹوری سے ہزار ہزار کے تین نوٹ نکال کر نیلیما کی ہتھیلی پر رکھے:

''یہ لے اپنا علاج کرا لے لگتا ہے ـــــ تمہیں کمل باؤ ہو گیا ہے۔ اس طرح لیٹے لیٹے کمر لگ جائے گی۔''

نیلیما نے روپے لوٹاتے ہوئے کہا:

''بھابی شکریہ مگر اتنا پیسہ لوٹانے کی میری حیثیت نہیں۔''

نرملا نے پیار سے اس کے گال کھینچے:

''تو کیا میں کٹنی ہوں، پھاپھا کٹنی اور اپنی چھوٹی بہن سے؟ توبہ توبہ۔ ایسی ذلیل عورت پر کیڑے پڑیں گے۔ دیکھ لاڈو! جب تک پیڑ ہرا بھرا ہے جی لوں گی، جس دن پتہ چلا کہ پت جھڑ آئی، پات سوکھ سوکھ کر گرنے لگے یا تو کچھ کھا کے سو رہوں گی یا ندی میں کود کر پران تیاگ دوں گی۔''

وہ رونے لگی۔ نیلیما اس کے آنسو پونچھنے لگی:

---

(۱): نشاچر: (ہندی) شب گرد، مجازاً چور، شیطان۔

(۲): پھوکل کلٹ: (ہندی) وہ مرد جو مفلس اور کھوکھلا ہونے کے باوجود عیاش ہو۔

"پانچ بیٹوں میں کسی نے اندھیری رات میں بوڑھی بے کس ماں پر دروازہ نہ کھولا۔ نیلیما ارتھی پر لیٹی ماں، تڑپتے ترستے بیٹے کی پکار سنے گی تو کفن پھاڑ کر اُسے کلیجے سے لگانے کے لیے کھڑی ہوگی۔ کیا بیٹا اپنی ماں کی درد بھری آواز پہچان نہیں سکتا۔ ماں کی آواز میں اس کے دودھ کی خوشبو ہوتی ہے۔ درگا ماں کے بیٹوں کو کیسے لگا کہ کوئی ڈائن دروازے پر کھڑی آواز دے رہی ہے۔ ایسے کپوتوں کا توچٹ پٹ کپال کریا(۱) کر دینا چاہیے۔"

وہ چلی گئی مگر اس کے پسینے کی بدبو اور کپڑوں کی خوشبو مل کر ممتا کی مہلک بن گئی اور بڑی دیر تک کمرے میں موجود رہی۔

●

"یہ ناگن تو بھلی چنگی ہوگئی"

پدما کے سارے منصوبوں پر پانی پھر گیا۔ لگ بھگ تین ہفتوں کے مسلسل دوادارو سے نیلیما پیلیا کے پنجوں سے آزاد ہوگئی۔ پدما نے اپنے پتی کے کان بھرنے شروع کیے۔ ادھر نیلیما نے بھی اس دوران اپنے من کو سمجھایا کہ اب تو میرے پاؤں میں بیڑی پڑ گئی ہے اور پھر شام کا بھولا اگر صبح کو گھر آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔ تب دھنی چھڑے چھٹانگ تھا اب گھر گرہستی

(۱): کپال کریا: (ہندی) مردے کی کھوپڑی پھوڑنا۔ ہندوؤں کی ایک رسم جب لاش چتا میں جل چکی تو بیٹا اس کی کھوپڑی پھوڑ کر اس میں گھی ڈالتا ہے۔

کے بوجھ تلے آیا ہے۔ اور وہ جو کہتے ہیں کہ گھر کر ستر بلا سردھر۔ اور پھر نرملا بھابی نے بھی سچ ہی کہا کہ یہاں کون لنگوٹ کا سچا ہے۔ کون لاجونتی ہے؟

اُس دن سویرے دھنی رام گھر کے پچھواڑے ترپال کے بوسیدہ ٹکڑوں سے چھوٹی سی ٹٹی بنانے میں لگ گیا۔ نیلیما اپنی دونوں ہتھیلیوں پر چہرہ رکھ کر ایک طرف بیٹھی اُسے دیکھ رہی تھی۔ وہ بالکل کنول لگ رہی تھی۔ ایک دفعہ دھنی چوک گیا اور ہتھوڑے کی ضرب اس کے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر لگ گئی۔ وہ بلبلا اٹھا اور لنڈ کریاں کھانے لگا۔ نیلیما نے دوڑ کر اس کا انگوٹھا چوسنا شروع کیا:

''جس کا کام اسی کو ساجھے۔''

اُس نے انگوٹھا چومتے ہوئے کہا: ''یہ تم کیا کر رہے ہو مگر؟''

اُس نے معصومیت سے پوچھا:

''تمہارے لیے غسل خانہ بنا رہا ہوں۔ اب تم ندی پر نہیں جاؤ گی جانے کس منحوس کی ہونس لگتی ہے تمہیں۔''

اس نے نیلیما کو بٹھاتے ہوئے کہا، پدما اندر یہ سب سُن رہی تھی۔ اُس نے وہیں سے طعنہ کسا:

''یہ کیوں نہیں کہتے کہ تٹ پر بیٹھے تاڑ بازوں سے ڈرتے ہو کہ کہیں کوئی اس پر فدا ہو کر بھگا نہ لے جائے۔ میری مانو تو اس کی پلکیں کتر لو(ا)۔

دونوں دم لے کر بیٹھ گئے۔

(ا): پلکیں کترنا: بری نظر سے بچانے کے لئے بچوں کی پلکیں کتر کے چھوٹی کرنا۔

نیلیما کی آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔ اُسے لدھیانہ کے وہ کٹھور دن یاد آئے۔ وہ سوچنے لگی:

''کتنی سختی بھرے دن ہم نے گن گن کر گزارے۔ تنگ و تاریک کمرے کی وہ گھٹن اور گھمتکا، غسل خانے کی کھراند۔ خرچ کی کمی، دین داروں کے تقاضے، صبح سے شام تک محنت، یہ سب کشٹ تو تھے مگر پیار جیسے ہر دانگ سے امنڈ آتا تھا۔ دھنی میرا تھا بس میرا۔ اب نجانے کیوں مجھ سے دور ہو رہا ہے۔ کل میں نرمل ہو کر ___ کتنے دن ہو گئے۔ اور پھر یہ بستی جہاں اتنی کنچنیاں ہیں، کیا بھروسہ کہیں کسی نے دھنی کو بھی لاسے پر لگا یا تو؟ ایسا تو نہیں کہ دھنی بھی اوروں کی طرح پرائے کُمکے سے پیاس بجھاتا ہو۔''

وہ زمین میں دھنستی گئی:

''میں اپنے دھنی پر وجود کے سارے انتر دوار کھول دوں گی۔ اُسے ایسے پریم ساگر کا جل پلاؤں گی کہ وہ تال تلّئی، کنڈ، ناند ندولے سب بھول جائے گا۔''

صبح نہا دھو کے وہ الگنی پر کپڑے ڈال رہی تھی۔ دھنی اُسے کھڑکی کی اوٹ میں بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ وہ نیلیما کے گیلے بالوں سے ٹپکتے ہوئے ہر قطرے کو چوم کر پینا چاہتا تھا۔ نیلیما کمرے میں داخل ہوئی تو دھنی نے دروازہ بند کر کے اُسے گلے لگایا اور زور سے بھینچ لیا۔ وہ کراہ اٹھی۔ نقاہت سے اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اس کے پورے بدن پر کپکپی طاری ہوئی۔ اُس نے خود کو چھڑاتے ہوئے تھرتھراتی زبان میں کہا:

''کیا کر رہے ہو؟ لاج شرم ہے بھی نہیں؟ بھیّا گھر میں ہیں۔ دو بجے کے بعد۔''

دھنی نے اس کے ماتھے کو چوما:

''ہائے نیلیما تمہاری تو کوکھیں لگ گئی ہیں۔''

نیلیما نے شہادت کی انگلی ہونٹوں پر رکھ لی:

''ہش، دو بجے کے بعد۔''

دھنی نے اس کے بالوں سے دونوں ہاتھ گیلے کر کے پوچھا:

''دو بجے کیوں؟''

نیلیما نے سمجھاتے ہوئے جواب دیا:

''اس لیے کہ آج دو بجے کے بعد گھر میں کوئی نہیں ہوگا۔ اب جاؤ بھی، مجھے کپڑے بدلنے ہیں۔''

ابھی دھنی گلی میں ہی ہوتا کہ نیلیما کا جیٹھ چندر کانت دندناتے ہوئے کمرے میں داخل ہو کر پھنپھنانے لگا:

''کہاں گیا یہ نِٹھلا نکھٹو۔ دن بھر اپنے نکمّے دوستوں کی گھمت میں گلی گلی منڈلاتے منڈلاتے پھرتا ہے۔ یہاں کون سا ہُن پر ہُن برستا ہے۔ کب تک یہ گھر کو کھود کر تماشا دیکھے گا۔ گھر کے چوہے بھوک کے مارے لوٹنیاں لگا رہے ہیں۔ میں اکیلا کما کر کتنوں کے پیٹ میں روٹیاں جھونکتا رہوں گا۔ اُسے کہو کہ کسی کام دھندے پر لگ کر گھر گرہستی میں میرا ہاتھ بٹائے ورنہ اپنی الگ سے کوئی سبیل نکالے۔ بہت ہو چکی جورو کی چاکری سمجھانا اُسے کہ میں نہیں چاہتا

کہ بھائیوں میں کھٹا پٹی ہو اور دشمن تماشا دیکھیں۔“

جیسے ایک طوفان آیا اور اس نے نیلیما کے خاموش اور پرسکون سمندر میں جوار بھاٹا پیدا کر دیا۔ جیسے سرد ہوا چلی اور اس کی خوشیوں کی کھڑی فصل کو پالا مار گیا۔ جیسے آندھی چلی اور اس کا خواب تنکا تنکا، ذرہ ذرہ گرد و غبار میں کہیں کھو گیا۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

شام ڈھل گئی۔ دھنی کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔ وہ انتظار کرتے کرتے تھک گئی۔ سولہ سنگار ماند پڑ گیا۔ من جو ملن کے گیت گنگنا رہا تھا اس کی لے مدھم ہو کر دم توڑ گئی۔ اُس نے دھنی کی راہ میں بچھائی ہوئی پلکیں جب جھپکائیں تو آنکھوں سے نیر کا دھارا بہنے لگا۔ گالوں پر کاجل کی ایک لکیر کھنچ گئی۔ بے چینی میں اپنے جیٹھ کے بیٹے منوج سے پوچھا اُس نے لاپرواہی سے جواب دیا:

”کہیں کسی ڈیرے پر بیٹھا پتے کھیل رہا ہوگا۔ پیسے ختم ہو جائیں گے تو اٹھ کے خود چلا آئے گا۔ کیوں پریشان ہو رہی ہو۔“

کاش وہ منوج کو اپنی پریشانی کی وجہ بتا سکتی۔

دن بھر نیلیما کے منہ میں کھیل کا ایک دانہ بھی نہ پڑا۔ رات کو سب کھا کے سو گئے۔ چوکا برتن کرنے کے بعد وہ چپکے سے بستر میں چلی گئی۔ اُسے گہری تنہائی کا احساس ہونے لگا۔

”بابا! مجھے پاس بلا لو۔ تمہاری پھول بیٹی پر بجوگ پڑا ہے۔“

وہ سسکیاں بھرنے لگی۔

کچھ رات گذری ہوگی کہ گلی میں کتے بھونکنے لگے۔

''ہشت ہشت۔''

نیلیما نے کروٹ بدل کر منہ دوسری طرف کرلیا۔ دھنی نے رسان سے دروازے کھولا اور نیلیما کے پہلو میں لیٹ گیا۔ اس نے نیلیما کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے آہستہ سے جھنجوڑا۔ دھنی کا سانس پھول رہا تھا۔ اس کے منہ سے شراب کی بدبو آرہی تھی۔ وہ شہادت کی انگلی سے نیلیما کے ہونٹ سہلانے لگا۔ نیلیما نے اس کے ہاتھ کو جھٹک دیا۔ اور اٹھ کر اکڑوں بیٹھ گئی۔ دھنی نے پاؤں پکڑ کر اُسے لٹانا چاہا۔ وہ دوڑ کر برآمدے میں آگئی۔ دھنی پیچھے لپکا تو وہ کھانسنے لگی۔ دھنی چوہے کی طرح بستر میں گھس گیا۔

صبح ہوئی تو دھنی رام منہ پھلائے بیٹھا تھا۔ نیلیما نے اُس کے سامنے ناشتہ رکھا۔ اُس نے تھالی کو سرکاتے ہوئے پرے کر دیا:

دھنی: نہیں کھانا مجھے۔

نیلیما: کیوں؟

دھنی: بس نہیں کھانا تو نہیں کھانا۔

نیلیما: مگر کیوں؟

دھنی: کیوں کا جواب میرے پاس نہیں۔

نیلیما: ناشتے پر کیوں غصہ اتار رہے ہو؟''

دھنی: میں کیوں کسی پر غصہ اتارنے لگا۔

نیلیما: رات کی بات کا غصّہ ہے؟

دھنی: رات کی بات تم جانو اور وہ۔

نیلیما: وہ کون؟

دھنی: وہی جو تمہارے من میں بسا ہے۔

نیلیما: کون میرے من میں بسا ہے؟

دھنی: مجھے کیا معلوم۔

نیلیما: اچھا تو میرے من میں کوئی اور بسا ہے ___ تو؟

دھنی: تو کیا ___ اُسی کو کھلا کے آؤ۔

نیلیما: تم ہی میرے من بسیا ہو۔ لو آں کرو۔

دھنی نے نیلیما کے بازو کو زور سے جھٹکا دے کر تھالی کو دیوار کے ساتھ پٹخ دیا۔ نیلیما بازو پکڑ کر بیٹھ گئی:

''چاہتے کیا ہو تم؟''

اس نے چلّانا شروع کیا:

''کس بات پر اتنا بگڑتے ہو؟ لاج شرم تو ہے نہیں۔ جانتے ہو جب سسر جی رات کو کروٹ بدلتے ہیں تو کھاٹ کے مچکنے سے میری نیند اُچٹ جاتی ہے۔ تم تو دارو کے نشے میں گھوڑے بیچ کر سوتے ہو، تمہیں کیا خبر جب بھیّا اور بھابی رات کو کھُسر پھُسر کرتے ہیں تو میں لاج کے مارے زمین میں گڑ جاتی ہوں ___ اور ___ اور''

وہ لڑ بڑا کر بولنے لگی:

''جانتے ہو تمہارے بھائی نے مجھ سے کیا کہا؟ اس نٹھلے نکھٹو کو سمجھاؤ کہ اپنے نکمّے دوستوں کی سنگت میں آوارگی کرنا چھوڑ دے۔ کام دھندے کی

فکر کرے ورنہ گھر سے الگ ہو جائے۔ سنو دھنی رام! اپنے بھائی کو سمجھاؤ کہ میں کوئی اُس کی لگائی نہیں۔ میرے ساتھ پھوں پھاں نہ کرے میں میں ــــ"

وہ کانپنے لگی۔

یہ سن کر دھنی آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے ایک گھونسہ کس کے نیلیما کے گال پر رسید کیا:

"رنڈی سالی! تم بھائیوں میں بِگاڑ ڈالنا چاہتی ہو؟ سُن! آگے چیں چپڑ کی تو منہ کالا کر کے گھر سے دفان کر دوں گا۔ پاؤں کی جوتی سر لگی۔"

نیلیما تیورا کے گر گئی۔ دھنی کو جلد ہی احساس ہوا کہ اس نے معصوم پر غدر کیا۔ وہ اس کے پیر پکڑنے لگا۔ نیلیما نے پیر سکیڑ لئے اور دوزانوں ہو کر بنتی کی:

"میرے گوڑ مت پڑا کرو۔ بہت ہوا یہ جُتھ دینا۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ بھگوان کے لیے۔"

اس نے گال سے ہاتھ اٹھایا تو دھنی کے دل پر یہ دیکھ کر چھری چلی کہ نیلیما کے گال پر چھوٹا گومڑا پڑا تھا۔ سوجھن سے آنکھ بند ہو گئی تھی۔

"ہے بھگوان! یہ کیا انارتھ ہوا۔"

باب چہارم

مسکر چاندنی

وقت کی گرتی دیوار پر حالات کی بھُر بھری مٹی میں گڑی ہوئی ڈانواں ڈول کیل پر لٹکی اپنے معاشرے کی ڈولتی تصویر کچھ قریب آ کر دیکھنے کے بعد نیلیما جان گئی کہ اس تصویر کے سارے رنگ کچے ہیں اور ذرا سی سیلن سے اس کے انگ انگ سے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں۔ وہ نرم اجالوں میں خواب پلک کھولنے والی بستی کو بہت پیچھے چھوڑ آئی ہے۔ جس سورج کے ماتھے سے روشنی کے دھارے پھوٹ کر اجالا کرتے ہیں اس کی کرنیں ان گلیاروں کا راستہ بھول گئی ہیں۔ یہاں اندھکار ہے، گھور اندھکار۔ پرائی دھرتی پر بنائے گئے مٹی کے ان اندھیرے گھروندوں سے جب کوئی پرش روشنیوں کی طرف ڈرتے سہمتے، سانس روک کے دیکھتا ہے تو اس کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اور وہ گھبرا کر اپنے بھٹ میں گھس جاتا ہے۔

جہاں ملکیت کا کوئی تصور نہیں۔

جہاں ایک درندہ شکار لاتا ہے تو دس پھاڑ کھاؤ اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اس کا لہو پیتے ہیں۔ اس کی بوٹی بوٹی نوچ ڈالتے ہیں، ہڈیاں بھنبھوڑتے ہیں۔ اسی لئے قبروں جیسے ان جھونپڑوں سے نکلنے والی ارتھیوں پر عورت کی لاش کے بجائے اس کا ڈھچر ہوتا ہے۔

وہ یہ حقیقت بھی جان گئی کہ پیسوں کے یہ پُوت اپنی ماؤں بہنوں، بیٹیوں اور بیویوں کو پردیس بھیج کر ان کی کمائی کا حساب کرتے وقت ہر کمی بیشی کو جسموں کی دھاندلی سمجھ کر انہیں طعنوں کی سرخ سلاخوں سے داغ دیتے ہیں۔ اور شام کو تھک ہار کے آنے والی گھر والی کا نیفہ اس لیے ٹٹولا جاتا ہے کہ کہیں اس میں پیسے اڑس کے نہ رکھے ہوں۔ بھوک کی راہ میں جب عورت کی تھکان آجاتی ہے تو زہر میں بُجھا یا ہوا طعنہ دیا جاتا ہے: ''کس یار کی ناند سے پیاس بجھا کے آئی ہے؟''

وہ یہ بھی جان گئی کہ یہاں دھرتی کے سب سے پوتر بندھن کا کوئی بھگوان، کوئی منڈپ، کوئی اگنی ساکشی نہیں۔ کوئی پجاری آشیرواد کے پھول نہیں برساتا۔ سات جنموں تک ساتھ نبھانے کی کوئی سوگند نہیں لی جاتی۔

کیونکہ یہاں ملکیت کا کوئی تصور نہیں۔

کیونکہ یہاں عورت اپنے آپ کو گلے سڑے ماس کی طرح بھوکے چیل کوؤں کے آگے کھلا چھوڑنا چاہتی ہے۔ کیونکہ یہاں مرد اپنی بھوک کو ایک شریر تک محدود نہیں رکھنا چاہتا۔ کیونکہ بھگوان کی چوکھٹ سے پوتر مٹی کی خوشبو سونگھے بغیر پلٹ کر آنے والوں کا انجام کیڑے مکوڑوں سے بدتر ہوتا ہے۔

نئی فصل کی بوائی کے وقت دھرتی ماں کو شراب چڑھانے والوں کو کون بتائے کہ جب دھرتی ماں کی سنتان اپنا خون پسینہ بہاتی ہے تب وہ اپنا سینہ کھول دیتی ہے۔

مندر کے برگد تلے اپنے انگوچھے چوتڑوں کے نیچے رکھے۔ میدان کے کنارے پر اپنے بچوں کی ڈھلمل رانوں پر کہنیاں دھرے۔ سکول کے پچھواڑے اپنی پگڑیوں کو بساط بنائے۔ نیم تاریک جھونپڑوں میں ایک دوسرے کی بیویوں کے ڈگمگ پہلوؤں میں ٹھوکا دے دے کر جوا کھیلنے والے، شراب کی بوتلیں ٹھنٹھنانے والے کیا خواب دیکھیں گے، کیا تعبیر پائیں گے؟

کہتے ہیں گاؤں کے سکول میں اگیا بیتال نے ڈیرہ جمایا ہے۔ وہ راتوں کو اگنی جلا کر لوگوں کو بہکاتا ہے۔ کاش انہیں کوئی بتاتا کہ اس اگنی میں کوئی اندرجال (۱) نہیں۔ اس اگنی کے دھوئیں کی کالک وہ دھن انجن (۲) ہے جو اندھکار مٹاتا ہے۔

پھر وہ ایک خواب دیکھنے لگی۔ نیلی، پیلی، سرخ، زرد دھند میں لپٹا ہوا ایک مسکین اور معصوم چہرہ:

---

(۱): اندرجال (ہندی) فریب، دھوکا، چھل۔

(۲): دھن انجن (ہندی) سرمہ جسے آنکھوں میں لگانے سے پوشیدہ خزانے دکھائی دیتے ہیں۔

''کون ہے یہ؟ میرا بیٹا؟ س کے تن پر یہ کس کی اُترن ہے؟ گریبان ناف تک چاک ہوا ہے۔ہائے میرے لال کی پسلیاں نکل آئی ہیں''

''اماں پیسے دونا۔دونا اماں۔''

اس کے منہ سے دارو کی بدبو آرہی ہے۔نیلیما ہوش گنوا بیٹھی۔اس نے گود کے پالے کی گردن پر چھرّی پھیردی۔اس کا چہرہ خون کی چھینٹوں سے لت پت ہوگیا:

''نہیں چاہیے مجھے ایسی اولاد۔''

چھٹولا(۱) پہننے سے پہلے ہی اس کی گود اجڑ گئی۔

''اور یہ، یہ پھڈ الٹوریا کون ہے؟ الجھی کڑبڑی ڈاڑھی۔بال جیسے کسی نے سر پر مٹھیاں بھر بھر کے راکھ ڈال دی ہو۔پھٹا پرانا کوٹ جو جگہ جگہ سے مسک کر چیتھڑے چیتھڑے ہوگیا ہے اور الگ ہونے کی کگار پر آئی ہوئی دھجیاں جگہ جگہ سے لٹک رہی ہیں۔کھونسڑے(۲) کے کناروں سے جھانکتی ہوئی انگلیوں کی بوائیوں میں جمی ہوئی خاک اور دھول۔''

لیر لیر آستین سے نکلے ہوئے استخوانی ہاتھ اس کے سامنے پھیلنے لگے:

''نیلیما پیسے دونا۔''

''دھنی تم؟''

---

(۱): چھٹولا: وہ لباس جو بچہ پیدا ہونے کے زمانے میں عورتیں پہنتی ہیں۔

(۲): کھونسڑا: پرانی اور ٹوٹی ہوئی جوتی۔

اس کے منہ سے دردناک چیخ نکلی:

''ہائے میں لٹ گئی۔ ابھی ابھی تو میں نے مانگ سندور سے سجائی تھی۔ ابھی ابھی تو میری مانگ سے چندن کی خوشبو آرہی تھی۔ ابھی میری جوانی کی فصل کے خوشے نکلے ہی تھے کہ میرا باگڑ بلا بوڑھا ہوگیا۔ یہ میری مانگ میں کس نے انگارے بھر دیئے؟''

''پیسے دونا ___ نیلیما!''

اس نے اپنے پاؤں پر گرتے ہوئے دھنی کو سہارا دیا۔

پھر اس کے شریر پر سڑاسڑ کوڑے برسنے لگے۔ وہ ان خوفناک دھماکوں سے جاگ گئی۔ دھنی اس کے پہلو میں چھوٹے بچے کی طرح غفلت کی نیند سو رہا تھا۔ مگر وہ جاگ گئی تھی اور اس نے طے کیا کہ دھنی یہاں نہیں رہے گا۔ کیرلا جا کر اُسی فیکٹری میں کام کرے گا۔ ہمیں گھر بنانا ہے اپنا گھر سپنوں کا گھر۔ اپنے جگر کے ٹکڑوں کو سکول بھیجنا ہے۔ شام کو وہ میری گود میں سر رکھ کر پڑھائی کیا کریں گے۔ (اس خیال سے نیلیما کے من میں گدگدی ہونے لگی) میں سہہ لوں گی دھنی کی جدائی۔ گزی گاڑھا پہنوں گی۔ مانگ تانگ کے گذارہ کرلوں گی۔ اور پھر میری بہنیں بھی تو میرے پاس ہی ہیں۔ مگر بہنوں سے کیا آس ___

یہاں ہر عورت کو اپنے مرد کی لاش کو کفن دینے کے لیے اپنے جسم سے ساڑی اتارنی پڑتی ہے۔

●

کڑاکے کی دھوپ کہ چیل انڈا چھوڑتی ہے۔ وہ ایک منڈے تلے دھنی کا انتظار کر رہی ہے۔ جس ڈگر سے دھنی لوٹ کے آنے کا وعدہ کر گیا تھا اس کے بیچوں بیچ غضب کے لو کے اٹھنے لگے۔ مانو کوئی دیو ہیکل اجگر اپنا غار جیسا منہ کھول کے شعلے پھونک رہا ہو۔ سنسان راستے کے دونوں کناروں پر سبز گھاس اچانک جھلستی ہوا کے بے رحم تھپیڑوں سے لہلہا کے زرد ہونے لگی۔ پھر مٹیالا دھواں اٹھنے لگا۔ دھویں کے گھنے گھنگھور بادل پیڑ پر چھانے لگے۔ اُس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو پیڑ اچانک پھد پھدانے لگا۔ اس پر دھوئیں کی شاخیں نکلنے لگیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے کالے رنگ کا ایک منڈھا اس کے سارے وجود کے اوپر تن گیا جس پر زرد، سفید، سبز، نیلے، پیلے سانپ بیلوں کی طرح لٹکنے لگے۔ کہیں دور سے ایک دھندلی سی آواز آنے لگی:

''یاتریوں سے نویدن ہے_____''

پھر آواز ڈوبنے لگی۔ کسی گہرے کنویں میں پھینکے ہوئے ڈول کی صدا کی طرح۔ اچانک اس کی سانسوں میں دھواں بھرنے لگا___ چراند بھرا گاڑھا دھواں۔ وہ کھانسنا چاہتی تھی مگر اس کے پھیپھڑے جیسے پتھر ہو گئے تھے۔ کافی دیر تک تڑپ تڑپ کر وہ سانس لینے کی آخری کوشش میں ڈھبڈ باتی رہی مگر اس کے دونوں ہاتھ کسی گاڑھے اور لیس دار سیال میں کہیں پھنس گئے۔ اُسے لگا جیسے وہ چولھے کے لیے چکنی مٹی گوندھ رہی ہے اور اس کے دونوں ہاتھوں پر گڑھواڑ مٹی نے اپنے پنجے زور سے کس لئے:

''اپنے ہاتھ کھینچ لو نیلیما___''

پیڑ ایک کالے بجنگ راکشس کی صورت میں اس کے سامنے کھڑا ہو گیا:

''اپنے ہاتھ کھینچ لو نیلیما___ میں تمہیں اپنے ساتھ آکاش پر لے جاؤں گا___ ہاتھ کھینچ لو''

اس نے زور لگا کر ہاتھوں کو آزاد کر لیا اور وہ روئی کے گالے کی طرح ہوا میں اڑنے لگی۔ جیسے آک کے ڈوڈے کو ہوا کے تیز جھکڑو نے جھنجوڑ کے رکھ دیا۔ جیسے گھوا پھٹ گیا۔

دہشت سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ ابھی بہت رات باقی تھی لیکن مکر چاندنی نے اُسے صبح ہونے کا دھوکا دیا۔ اُسے دھنی رام یاد آنے لگا:

''مجھے اس حالت میں چھوڑ کر دھنی کو نہیں جانا چاہیے تھا۔ پلیٹ فارم پر میرا زرد چہرہ اور سوکھے ہونٹ دیکھ کر اس نے میرے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا: ''نیلیما! تم تو بخار سے تپ رہی ہو۔''

ایک لمحے کے لیے نیلیما کو لگا تھا کہ دھنی اپنا سامان اٹھا کر ٹرین سے اترے گا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کہے گا:

''نہیں جانا مجھے تمہیں اس حالت میں چھوڑ کے کہیں۔''

مگر اسے جیسے جانے کی جلدی تھی۔ وہ بار بار قمیص کی آستین چڑھا کر گھڑی دیکھتا تھا۔ پھر ٹرین نے پہلی سیٹی بجائی۔ شاید اب اتر جائے۔ پھر دوسری اور تیسری۔ نیلیما پلیٹ فارم پر دیر تک ہاتھ ہلاتی رہی۔ اس کے بعد آنسوؤں کا ایک سیلاب آیا۔ سفر پر تو دھنی روانہ ہوا تھا مگر یاترا جیسے نیلیما کی

شروع ہوئی تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ دھنی کے جانے میں نیلیما راضی تھی مگر اُسے رنج اس بات کا تھا کہ اس نے کبھی جھوٹے منہ بھی جانے سے انکار نہیں کیا۔

نیلیما کی بہنوں نے جب دھنی کو گاؤں میں ہی کچھ کام دھندہ کرنے کی صلاح دی تھی تو اس نے انہیں یہ کہہ کر لاجواب کر دیا کہ مجھ سے گنجیا گلے میں ڈال کر گھسیارے کی چاکری نہیں ہوگی، نہ مجھ سے بہنگیاں اٹھائی جائیں گی، نہ میں برتن مانجھ سکتا اور نہ لوٹے اٹھاتے پھروں گا۔ سمن گھاگ تھی جان گئی کہ اس پر کہیں اور سے مدن بان چل چکا ہے۔ اور اسے نیلیما میں کوئی رُچ نہیں رہی۔ سمن یہ بھی جان گئی کہ دھنی رام نیلیما کو چھل دیکر کیرلا یا کشمیر کے بجائے لدھیانہ کیوں لے گیا۔ اُسے چھوٹی پر ترس آیا:

"کیسی پھول جیسی ہماری بچی کے جیون پر پت جھڑ چھا گئی۔"

دھنی روز شام کو فون کرتا تھا۔ ایک دن فون آیا:

دھنی: کیسی ہو؟

نیلیما: ٹھیک ___ بس ذرا سا بخار ہے۔

دھنی: یہ میں کیا سن رہا ہوں؟

نیلیما: کیا؟

دھنی: یہی کہ تم دن بھر ادھر ادھر ہانڈتی پھرتی ہو۔

نیلیما: سنو! مجھے رات کو ڈراؤنے سپنے آتے ہیں۔

دھنی: میں دن کی پوچھ رہا ہوں اور تم رات کی کتھا لیکر بیٹھ گئیں۔

نیلیما: گھر کا سارا کام نپٹا کے بہنوں کے یہاں جاتی ہوں۔ ذرا سا

من بہل جاتا ہے۔

دھنی: تم نے بھابی کو جو دو ہزار روپے دیئے تھے، وہ کہاں سے آ گئے؟

نیلیما: کیوں؟

دھنی: میں پوچھتا ہوں کہاں سے آ گئے؟

نیلیما: نرملا بھابی سے ادھار لئے۔

دھنی: وہ رنڈی تمہیں دھندے پر بٹھا کر ہی دم لے گی۔

نیلیما: اپنی بھابی سے کیوں نہیں پوچھتے کہ میں کہاں سے پیسے لاؤں گی۔ دھنی: کوئی کام کیوں نہیں کرتیں؟

نیلیما: ٹھیک ہے کوئی کام دھندہ ہی کروں گی۔

دھندے کا لفظ دھنی کے جگر میں کیل کی طرح پیوست ہوا، اس سے پہلے وہ کچھ کہتا نیلیما نے فون کاٹ کے بند کر دیا۔ تین ہفتوں تک بھوٹان کی سرحد سے سٹے ہوئے ایک گاؤں میں وہ کسی بہاری ہوٹل والے کے یہاں برتن مانجھتی رہی۔ بھوک، محنت اور سفر کی وجہ سے اس کی طبیعت بگڑ گئی۔

دو دن سے وہ بستر میں پڑی کراہ رہی تھی۔ دوپہر کا وقت تھا کہ نرملا اس کی مزاج پرسی کے لیے آئی۔ وہ آج بہت دکھی تھی۔ جاتے وقت اس نے تین ہزار روپے نیلیما کے سرہانے رکھے:

"کل سے برتن مانجھنے کے لیے مت جا۔ اپنی صحت کا خیال رکھ۔ جب بھی دھنی تیرے جیٹھ یا جیٹھانی کی ہتھیلی میں کھجلی آئے گی مجھ سے کہنا میں ان مرداروں کے منہ میں نوٹ ٹھونس دوں گی۔ یہ کس جنجال میں خود کو پھنسایا تو

نے؟"

نیلیما نے نرملا کا ہاتھ پکڑا اور تشکر آمیز لہجے میں بولی:

"بھابی! تم اپکار کی دیوی ہو۔"

نرملا نے آنچل سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا:

"نہیں یہ کسی دیوتا کی کرپا ہے ہم دونوں پر۔"

نیلیما جذباتی ہوگئی:

"بھابی میں جب بھی کوئی ڈراؤنا سپنا دیکھ کر جاگتی ہوں مجھے لگتا ہے کسی دیوتا کی مہربان آنکھیں میری رکھوالی کررہی ہیں۔"

نرملا آنچل منہ میں ٹھونس کر چلی گئی۔ کھلو باؤلی (۱) آج رو رہی تھی۔

(۱): کھلو باؤلی: ہنسوڑ عورت۔

●

اس دنیا میں کہیں تو کوئی ایسا ہوگا جو رات بھیگنے پر گھر سے نکل کر چاند کو یہ سوچ کر پہروں نہارتا ہوگا کہ چاندنی میرے گاؤں کے پیڑوں پر بھی اتری ہے۔کوئی تو ایسا بھی ہوگا جو بھور سمے اوس پر ننگے پاؤں چل کر پھولوں کو یہ سوچ کر چومتا ہوگا کہ جس دھرتی پر پھول کھلے ہیں، میرا گاؤں بھی اسی دھرتی پر کہیں ہے۔کوئی تو ہوگا جو پُروا کے جھونکوں کو یہ سوچ کر باہوں میں بھرتا ہوگا کہ پُروا کے جھونکے میرے تن کو بھی سہلاتے ہیں۔کوئی تو ہوگا۔کوئی تو ہوگا۔

''چاچی یہ تم کیا بڑبڑا رہی ہو؟''

نیلیما کو سدھ ہی نہ رہی کہ منوج کب آیا اور دوزانوں ہوکر اس کے سامنے بیٹھ گیا:

''کتنے سندر، کتنے رسیلے اور من بھاون بول تھے۔تم کوئی کویتا بول رہی تھیں؟''

سولہ سال کا منوج جس کا کنٹھ ابھی پھوٹا تھا اور مسیں بھیگی تھیں حیران ہوا:

''چاچی! اگر برا نہ مانو۔جب تک چاچو آئے گا کیا ہم دوست بن سکتے ہیں؟''

اس نے ہچکاتے ہوئے معصومیت سے پوچھا۔

نیلیما اس کے بالوں میں انگلیوں سے کنگھی کرتے ہوئے بولی:

''چاچو کے آنے تک ہی کیوں۔ ہمیشہ کیوں نہیں؟ مگر میری ایک شرط ہے تم پڑھائی پھر سے شروع کرو گے۔''

منوج نے ماتھا پیٹ کر کہا:

''لو پھر ہوگئی ہماری دوستی۔ یہاں کون مرا جا رہا ہے میری پڑھائی کے چھوٹنے پر۔ سب اپنی اپنی دھما چوکڑی میں گم ہیں۔ ماسٹر جی نے ایک دن بابا سے کہا تھا کہ لڑکا سکول کیوں نہیں آتا۔ بابا نے کہا ماسٹر جی! پڑھ لکھ کے کون سا بابو بننا ہے لونڈے کو۔ ذرا سا قد کاٹھ نکلے گا تو کہیں کام دھندے پر لگ کر چار پیسے کمائے گا۔

چاچی! میں جانتا ہوں کہ ایک دن ایسا آئے گا جب میں بھی گھر سے بے گھر ہو جاؤں گا۔ مجھے گاؤں کے چھوٹنے کا غم نہیں غم ہے تو اس بات کا کہ میرے بغیر گاؤں کے موسم اداس ہو جائیں گے۔ مجھے معلوم ہے پھر میں کبھی نہ جان سکوں گا کہ دھان کے کھیتوں میں کب گیت گاتے ہوئے ہروا ہے اترے ___ کب بوار آیا کب کھیتوں میں پھٹا مارا گیا(۱) کب نئی فصل کی بوائی ہوئی۔ کب تپتی دھوپ میں کسان کھیت نکانے لگے۔ کب دھان کے پودوں پر خوشے نکل آئے اور کب ان میں دودھ اتر آیا۔ کب چھن چھن چھن چھن سنہری بالیاں ہوا کے نرم جھونکوں سے لہرا اُٹھیں کب کسانوں نے فصل

---

(۱): پھٹا مارنا: (آدی واسی) لکڑی کے تختے سے زمین ہموار کر کے کاشت کے قابل بنانا۔

کاٹی بوک بوک (۱) کے کھلیانوں میں پہنچائی۔ اور سارے گاؤں میں گھاس کی سوندھی خوشبو پھیل گئی۔ کب جھنڈ کے جھنڈ پرندے ننگے کھیتوں میں دانہ دنکا چگنے کے لیے اترے۔ کتنا اچھا لگتا ہے جب پرندوں کا جھنڈ چٹکی بجانے سے بھرّ امار کر اڑتا ہے اور ہوا میں ذرا سا مرکنے کے بعد دوسرے کھیت میں اتر جاتا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں ہوگا کہ کب دور دیس سے آ کر پپیہے نے پیہو پیہو کی گونج سے سارے گاؤں کو سر پر اٹھایا۔ کب نیم کے درخت پر کوئل نے انڈے دیئے۔ کب چینگی پوتے پھُدک پھُدک کر اڑنے لگے۔ کب اُمس بھری دوپہر میں آلسی گدھ ندی میں ڈبکیاں مار کر پر پھیلائے کریال کرتے کرتے اونگھنے لگے۔ کب گاؤں میں ہرانڈ (۲) پھیلی۔ کب چھوروں نے آم اور املی کے پیڑوں پر دھاوا بول دیا اور گالیاں کھائیں۔ کب امرود اور لیچی گدرانے لگے۔ کب انار کے دانوں میں میٹھا رس اُترا۔ کب سدھو میرے دوست کی چھت پر چمبیلی کے پھول کھلے۔ کب گلاب مہکے، کب رات کی رانی مرجھائی۔ کب ہمارے گاؤں میں بنجاروں کی طرح جھڑ بدلیاں جھومتی آئیں اور برس کر چلی گئیں۔"

اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات ہو رہی تھی۔ نیلیما نے اس کا سر گود میں لیا اور اس کے شانوں کو تھپتھپا کر تسلی دی:

---

(۱): بوکنا: (آدی واسی) سر پر بوجھ اٹھا کر ڈھونا۔

(۲): ہرانڈ: کچے پھل کی بُو۔

''کچھ نہیں ـــــ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ جب تک میں اس گھر میں ہوں کسی مائی کے لال کی کیا مجال کہ منوج کو پردیس بھیجنے کی بات بھی کرے۔ منوج! مجھے کچھ گملے لا کر دو گے کہیں سے؟''

منوج نے تعجب سے پوچھا:

''گملے؟ وہ کیا ہوتا ہے۔''

نیلیما نے سمجھاتے ہوئے کہا:

''ارے کوڑ مغز! گملا مٹی کا ایک برتن ہوتا ہے، ہانڈی کی شکل کا جس کا منہ چوڑا ہوتا ہے۔ اس میں مٹی بھرتے ہیں اور پودہ اگاتے ہیں، پودے کو روز پانی دیتے ہیں۔ ایک دن اس میں پھول لگتے ہیں۔ گملے کے پینڈے میں ایک سوراخ بھی ہوتا ہے۔''

منوج نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا:

''مگر سوراخ سے تو پانی نکل کر باہر بہتا ہوگا؟ سوراخ کیوں؟''

''نہیں رے مٹی پانی کو جذب کرتی ہے، چوس لیتی ہے۔''

منوج نے گردن ہلاتے ہوئے کہا:

''اچھا جیسے تمہاری آنکھیں آنسو چوس لیتی ہیں چاچی۔ ہے نا؟''

بڑے شوق اور لگن سے ٹین کے کنستر کاٹ کے گملے تیار کئے گئے۔ پھر دونوں نے مل کر ان میں مٹی بھر دی۔ منوج نے جہاں تہاں سے پھولوں کے نہال اپاڑ اپاڑ کے ان میں لگائے۔ کچھ دن جو پودے جھکے جھکے اور مرجھائے مرجھائے رہے دونوں کا دل بیٹھ گیا کہ محنت اکارت گئی مگر خوب پانی دینے کے

بعد پودے پورے قد سے کھڑے ہو گئے اور ہرے ہرے پات سرسرانے لگے۔ نیلیما کو تنہائی میں جینے کا ایک سہارا مل گیا۔ وہ نہار منہ لوٹا اٹھا کے پودوں کو پانی دیتی اور دیر تک انہیں دیکھ کر جی بہلاتی۔

پھر وہ دن بھی آیا جب پودے کلیانے لگے۔ کچھ روز بعد پھولوں پر منڈلاتے ہوئے بھونروں، شہد کی مکھیوں اور رنگ برنگی تتلیوں کو دیکھ کر نیلیما کو احساس ہوا کہ اس گھر میں نہ سہی اس کے آس پاس زندگی کہیں موجود ہے۔ جیون کی کتھا جاری ہے۔ دھرتی کی نبض چل رہی ہے ___ بڑے دنوں کے بعد اس نے اپنے دل کی دھڑکن محسوس کی۔

●

لائٹ چلی گئی تھی۔ پورا گاؤں گھپ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ منوج کے سامنے چراغ جل رہا تھا۔ وہ اپنی پرانی کتاب کھول کے کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ اچانک ہوا سنکنے لگی۔

پتوں کی سرسراہٹ سن کر نیلیما کھڑکی بند کرنے کے لیے اُٹھ ہی رہی تھی کہ ایک جھونکا آیا اور لمحہ بھر کے لیے کتاب کے ورق پھڑ پھڑائے۔ جھونکا چراغ کو چھوتے ہوئے دو بھنبھیریوں کو اپنے ساتھ لے گیا۔ بتّی پر جمی ہوئی راکھ سے چنگاریاں اٹھیں مگر لو ذرا بھی نہ ٹمٹمائی۔ ہوا لو کو چھپھلتی ہوئی گذر گئی۔ یہ دیکھ کر نیلیما دنگ رہ گئی۔ دروازہ کھٹ سے بند ہو گیا۔ وہ سہم کر رہ گئی اور ڈرتے ہوئے منوج سے سرگوشی میں کہا:

نیلیما: منوج!

منوج: ہاں چاچی!

نیلیما: کچھ نہیں تم پڑھو۔

منوج: چاچی! تم نے جھوٹ کیوں بولا؟

نیلیما: کیا جھوٹ بولا میں نے؟

منوج: یہی کہ تم کو ٹھینگی (ا) نے کولہے پر کاٹا ہے۔

نیلیما: تم کو کیسے پتہ کہ کولہے پر نہیں کاٹا؟

منوج: میں نے دیکھا__

نیلیما: کیا دیکھا؟

منوج: یہی کہ کہاں کاٹا ہے۔

نیلیما: کہاں کاٹا ہے؟

منوج: پیڑو پر۔

نیلیما: تمہیں کیسے پتہ چلا؟

منوج: کل جب تم چولی اٹھا کے کھجا رہی تھیں نا__ میں نے دیکھا کہ تمہاری ناف کے نیچے (اس نے قمیص اٹھا کے دکھایا۔ نیلیما نے آنکھیں جھکائیں)

نیلیما: ناف کے نیچے کیا؟

(ا): ٹھینگی: (آدی واسی) ایک برساتی کیڑا۔

منوج: ایک سرخ داغ ہے اور تمہارے پیٹ پر کھروچے پڑے ہیں۔

نیلیما: بدمعاش کہیں کے تم کتاب پڑھ رہے تھے یا میرا پیٹ دیکھ رہے تھے؟

منوج: چاچی! تمہارا پیٹ لچئی جیسا ہے۔

نیلیما: چپ ہو جاؤ!

اس کے بعد وہ منوج کی طرف سے چوکنا ہوگئی۔ کئی دنوں سے وہ دیکھ رہی تھی کہ منوج ہر آن اس کے آگے پیچھے ڈولتا پھرتا ہے۔ شام کو پڑھنے کا بہانہ بنا کر اس کے قریب رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ کئی دفعہ اُسے لگا جیسے دھنی نے منوج کو اس کی ٹن گن لینے کے لیے چھوڑا ہے۔ کچھ دن پہلے وہ آئینے کے سامنے کنگھی چوٹی کر رہی تھی۔ اُس نے آئینے میں دیکھا کہ منوج بے دم ہو کر اُسے گھور رہا تھا۔

''یہ کیسا گھناؤنا خیال آیا میرے من میں؟ منوج تو ابھی بچّہ ہے۔ بھگوان! چھما کرنا۔''

پھر وہ ہوا جو نیلیما کے سان گمان میں بھی نہ تھا۔

اس روز نیلیما دن بھر بارش میں اِدھر اُدھر پھرتی رہی۔ مسلسل بھیگنے سے اس کا انگ انگ ٹوٹنے لگا۔ وہ شام سے ہی چادر تانے لیٹی تھی۔ منوج جب آیا اس وقت نیلیما کی آنکھ لگی تھی۔ اُس نے نیلیما کے بازو پر ہاتھ رکھ کر پوچھا:

''کیا ہوا؟ پھر سے بیمار پڑ گئیں کیا؟''

نیلیما نے نندا سی آنکھیں جن میں ڈورے چھوٹے تھے کھولیں اور منمنا

کر کہا:

''نہیں رے۔ بھیگنے سے انگ انگ سے ٹیس اٹھ رہی ہے۔''

منوج نے آستین چڑھا کر پوچھا:

''میں پاؤں دباؤں؟''

اور نیلیما کے جواب کا انتظار کئے بغیر اس کے پاؤں دابنے لگا۔ کچھ دیر بعد نیلیما کے پیروں اور ٹانگوں کی اینٹھن جانے لگی۔ اس کی پلکیں بند ہوگئیں۔ اب اس کی رانوں کی مچھلیاں مچلنے لگیں۔ وہ اونگھتے اونگھتے محسوس کر رہی تھی کہ منوج کے ہاتھ بھٹک رہے ہیں۔ اُس نے اپنی ٹانگیں ہلا کر منوج کو اپنی جگہ دابنے کا اشارہ کیا۔ مگر ہاتھ بھٹک رہے تھے۔ اچانک اُسے محسوس ہوا کہ منوج نے دابنا بند کر دیا۔ اس نے کیف اور سرور کی حالت میں سمجھا کہ شاید مجھے سوتا دیکھ کر چلا گیا۔ یہ دیکھنے کے لیے جب اُس نے آنکھیں کھولیں تو وہ چلائی:

''منوج! یہ تم کیا کر رہے ہو؟''

یہ سن کر منوج ہول جول میں کمرے سے دوڑ کر باہر چلا گیا۔ نیلیما نے دروازہ بند کیا اور سانکل چڑھائی:

''ہے بھگوان! تم دنیا والوں کو کس نرک سے ڈرا رہے ہو؟''

باہر زوروں کی بارش ہو رہی تھی۔ نیلیما کو لگا کہ اس کے گملوں کے سارے پھول مرجھا گئے اور زندگی نے سانس لینا بند کر دیا۔

باب پنجم

کال راتری

نیلیما کی لنکا ڈھانے والے گھر کے بھیدی کم نہ تھے مگر اس بار اگنی بان باہر سے چلا۔ ویسے بھی دھنی تب ہی فون کرتا تھا جب اس کی جیب خالی ہوتی یا نیلیما کی کن سوئیاں لینے والے اُسے بھڑکاتے اور وہ دھاڑ دھاڑ کے اوگنے لگتا۔ یہ نیلیما کی خواب نگری پر آخری دھاوا تھا۔

دھنی: ہیلو! یہ میں کیا سن رہا ہوں؟

نیلما: اب کیا سنا تم نے؟

دھنی: یہی کہ تم چھدرا کے چلتی ہو اور کئی دنوں سے دواخانے کے چکر لگا رہی ہو۔

نیلیما: ہاں تو پھر؟ اُس دن نہیں پوچھا جب میں کلرن کے پاس گئی تھی جونک لگانے ____ جب تم نے منہ پر لپا مارا تھا۔

دھنی: بکواس نہ کر۔ کہاں سے لگا کے لائی ہے یہ روگ؟

نیلیما: لاج کر کیا اناپ شناپ کہتے ہو۔ تمہارے بہنوئی نے بھی اپنی بیوی سے یہی پوچھا تھا۔ پچھلے برس؟

دھنی: میری بہن کو بیچ میں لا کر تم اپنے پاپ پر پردا ڈالنا چاہتی ہو؟

نیلیما: کیوں؟ تمہارا بہنوئی کیرلا میں بیٹھ کر آنکھوں پر اندھیری ڈال کے نہیں جانتا کیا کہ اس کی گرہستی کی اکھوٹ کیوں گھستے گھستے تانتڑی ہوگئی ہے؟ اس کے آنگن کی الگنی کس بوجھ سے ڈھیلی ہو کر زمین سے لگ گئی ہے؟ بیچاری چاروں پہر انٹاچت ہو کر نہیں جانتی کہ اندھیرے اجالے گھر میں کون آیا اور کون گیا؟ انگیا کی ڈوری باندھنے کی بھی سدھ نہیں۔ تم نامردوں کو گھر میں بیوی نہیں انڈوائی چاہیے، جو دانہ کہیں اور سے چگے لیکن انڈہ اپنے گھونسلے میں دے، بچوں کو بھرّائے۔ تمہاری مرغی کڑک ہونے سے پہلے ہی بے چھرّی حلال ہو جاتی ہے۔

دھنی: چپ سنکھنی (۱) سالی ______ خود نیم کی ٹہنی ہلاتی پھرتی ہے (۲) اور دوسروں پر بول دھرتی ہے آنے دے، اگر الٹے استرے سے سر نہ منڈوایا تو دھنی میرا نام نہیں۔

نیلیما: دھنی رام! تمہاری چت بھنگ ہوگئی ہے۔ یاد رکھو میں کوئی

---

(۱): سنکھنی: (ہندی) وہ عورت جس کی نفسانی خواہش بڑھی ہوئی ہو اور جو ایک مرد پر اکتفا نہ کرے۔

(۲) نیم کی ٹہنی ہلانا: آتشک کے مریض کا نیم کی ٹہنی ہلا کر مکھیاں اڑانا۔

بازاری عورت نہیں تمہاری اردھانگنی ہوں۔

دھنی: اردھانگنی؟ میری جوتی تُو کون سی میری بیاہتا ہے۔ رکھیل سالی!

اور امر بیل مرجھا گئی۔ اس کا سارا وجود بجھ گیا۔ جینے کے سارے سوتے خشک ہو گئے۔ اُسے اپنے آپ سے گھِن آنے لگی۔ جیسے کسی راکشس نے شراپ دے کر اُسے پتھر کی مورتی بنا دیا۔ لگتا تھا سوگ میں بیٹھی ہے۔ بہنیں سناٹے میں آ گئیں۔ نانی غش کھا کر گر پڑی اور پہروں بے ہوش رہی۔ نرملا گود پسار کے کوسنے لگی:

"بھگوان کرے او ہے سے گر کر بھسم ہو جائے کُکُر (۱)۔"

اُٹھتی کونپل پر لاکھ پت جھڑ چھائے۔ وقت چلتا رہتا ہے۔ دکھیاروں کو روند کے آگے بڑھتا ہے۔ موسم بدلتے ہیں، انہیں بدلنا ہوتا ہے۔ جیون کی رچنا رچنے کے لیے۔ دھرتی کی کتھا کو آگے بڑھانے کے لیے۔

برسات آئی تو ایک دکھیا، برہ کی ماری، جگت کی ٹھکرائی ہوئی، چھل بلوں میں آئی ہوئی۔ بھری بہار میں مرجھائی ہوئی۔ اپنی سدھ بسرائی ہوئی، انتر دھیان میں گم برہا گاتی ہے:

جھر جھر برسے ہے ساون
دھڑ دھڑ جلتا ہے تن من

---

(۱): کُکُر: (آدی واسی) کتّا۔

چھاجوں برسی ہے بدرا
اڑا ڑا کے گر گیا ہے گھر
بوندیں چھوتی ہیں تن کو
من پر گرتا ہے اَدَہن(۱)

لر لر لرزے نِس دن من
تڑ تڑ برسے ہے اوگھی(۲)
بادل گرجیں تو بڑھتی ہے
تھر۔ تھر تن من کی کمپن

صر صر چلتی ہے گھر میں
لُو کے لگتے ہیں تن کو
پہن کے میں اُترن پُترن
کھاتی ہوں اوچھن پوچھن

(۱):ادہن (ہندی) کھولتا پانی۔

۲:اوگھی: لمبا چابک، ہنٹر۔

کھول کے بیٹھی ہوں میں کیس
بہہ گیا نینوں کا کاجل
پر سنگت میں کیا جانے
پھر پھندی(۱) دل کی پھڑکن

جھر جھر برسے ہے ساون
دھڑ دھڑ جلتا ہے تن من

●

ایک پھٹے پرانے انگوچھے کے دھول دھبّوں سے بھرے تراشے کو لکڑی کے سرے پر باندھ کر چونے کا جو پچکارا گملوں پر پھیرا گیا تھا وہ بھلا کب تک ساون کی ترچھی بوچھاڑوں کے آگے ٹکتا۔ آخر کار سفیدی اتر کے کچر پچر ہوگئی۔ نیلیما کو لگا جیسے دھرتی کا سینہ اُبس گیا اور اس کی چھاتی سے رستے ہوئے گلے سڑے دودھ کی دھار پر پھپھوندی لگ گئی۔ سیلن سے گملوں پر لگی ہوئی زنگ کی جھڑتی پرتوں کے بھُر بھُرے ڈھیر جمع ہوگئے۔ پھر پیاسی مٹی جھڑ یا گئی اور اس میں ہاتھ برابر شگاف پڑ گئے۔ وقت سے پہلے پھولوں کی یاترا ختم ہوگئی۔

---

(۱): پھر پھندی: فریبی، چالباز۔

موسم نے اپنی امانت سمیٹ لی۔ بے جان پنکھڑیاں ہوا کے سوکھے جھونکوں سے گر گر کے ادھر ادھر بکھرنے لگیں۔ پودے سوکھ کے کاٹھ اور پتے چُرمُر ہو گئے۔ گھر کی جس دیوار کے نیچے کائی لگ گئی تھی اُسی سے لگے ہوئے گملے گل گل کے کوڑھی کی انگلیوں کی طرح جھڑنے لگے:

''منوج! یہ کاٹھ کباڑ یہاں سے دفع کرو، اجاڑپن نے جگہ گھیر لی ہے۔''

چندر کانت کی گرجتی ہوئی آواز نے نیلیما کو چونکا دیا۔ منوج جب کچرے کے ڈھیر پر پھینکنے کے لیے گملے اٹھانے لگا تو نیلیما کو لگا جیسے اس گھر سے ایک ایک کر کے اس کے سپنوں کی ارتھیاں اٹھ رہی ہیں۔ وہ کھڑکی پر چھاتی پکڑ کر بیٹھی سوگ منا رہی تھی۔

پدما نے پر چھتی کے نیچے جھاڑو لگا کر صفائی کی مگر زنگ کے چوکور نشان مٹی پر کھاکسی (ا) کی طرح موجود رہے۔ یہ نیلیما کے ارمانوں کی آخری نشانی تھی۔

اُس نے اپنے سرد پیٹ پر ہاتھ پھیر کر ایک لمبی آہ بھر لی۔

●

پدما نے نیلیما کی طرف چوڑیاں چھن سے پھینکتے ہوئے کہا:

''انہیں پہن لو، تمہارے جیٹھ کی مت ماری گئی ہے۔ تم جانتی ہو دیوالی سر

(ا): کھاکسی: وہ موٹی موٹی لکیریں یا نشان جو بچہ جننے کے بعد زچہ کی رانوں اور پیٹ پر پڑتے ہیں۔

پر ہے۔ گھر میں خرچے کی کمی ہے۔ دھنی نے مٹھی بند کرلی ہے۔ اکیلا آدمی گھبرا کے باولا ہوگیا۔ پوجا کی سامگری کے لیے بھی پیسہ کوڑی نہیں ۔ اس طرح اِستری کا چوڑیاں اتارنا اپ شگون ہے۔‘‘

نیلیما بیزاری سے چوڑیاں اٹھا کر طاق میں پھینک پھانک کر بولی:

’’اب مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں، چاہو تو بیچ دو، ورنہ توڑ دو۔ میرے پاس کون سے نورتن ہیں۔ جوڑا باگا، گہنا پاتا جو مالک کے یہاں سے لائی تھی وہ پہلے ہی بک گیا۔ کانچ کی یہ چوڑیاں دھنی بڑے چاؤ سے لدھیانہ میں خرید کر لایا تھا۔ بھابی! عورت کا زیور اس کے مرد سے ہوتا ہے۔ میں ان چوڑیوں کا کیا کروں۔ توڑنے کے لیے پہنوں؟‘‘

چندر کانت دوسرے کمرے میں اضطراب کی حالت میں یہ سب سن رہا تھا۔ اس نے تلملا کر غرّاتے ہوئے پدما سے کہا:

’’کیوں سمے خراب کر رہی ہو۔ بہت ہوچکیں یہ گنجلک کی باتیں۔ اس تِل سے اگر تیل نہ نکلا تو دیوالی کے دوسرے دن پنچایت جوڑ کر یہ ٹنٹا ہمیشہ کے لیے ختم کردوں گا۔ آخر کب تک چھاتی پر پرائی سل کا بوجھ سہتا رہوں گا۔‘‘

نیلیما غوطے میں پڑی سن رہی تھی۔ ایک بار جی میں آئی کہ بس بہت ہوگیا اب بہنوں کے پاس جا کر ساری کُڑھن سنا کر وہیں کسی کونے میں اوچھن پوچھن کھا کے پڑی رہوں گی۔ مگر بہنوں نے پہلے ہی اس کے کلیجے کی چٹکیاں لی تھیں:

’’کس نے کہا تھا خود کو چانپیں چڑھانا؟‘‘

پورے گاؤں میں چہل پہل اور رونق تھی۔ لالہ کی دکان میں نیا مال لادا جارہا تھا۔ مٹھائیاں، بسکٹ، دودھ کے ڈبے، چاول، تیل، دالیں، مٹی کے دیئے، کھلونے، دارو کی بوتلیں، سوکھے پھل، سگریٹ، بیڑی، تمباکو، گٹکا، پان، دھوپ، دھوپ دان، پلاسٹک کے پھول، تاش کی گڈیاں، کھانڈ، مصری، سنگار کا سامان، غرض ساری دکان اٹا اٹ بھر گئی۔ پٹاخوں کے لیے جب جگہ نہ بچی تو لالہ نے کشن سے اسٹیشنری والی جگہ خالی کرنے کو کہا:

''کشنے! یہ کتابیں ڈائریاں، جنتریاں، قلم دواتیں، کاغذ، پنسل سب انگڑ کھنگڑ اٹھا کے سٹور میں دھر کے آؤ۔ اور سنو! آئندہ یہ سب کچرا مت منگوایا کرو۔ اس جگہ پٹاخے رکھ دو۔ ترنت۔''

لالہ خوش تھا کہ باغات کے مزدوروں کو بونس ملنے والا ہے۔

دیوالی سے تین دن قبل نرملا کھاٹ کھٹولا باندھ کے کلکتہ اپنی منہ بولی بہن کے پاس اتسو منانے کے لیے چلی گئی۔ جاتے وقت اس نے نیلیما کو ساتھ چلنے کی بہت ترغیب دی:

''چل میرے ساتھ۔ کچھ دن کھلی ہوا میں سانس لے گی تو چہرے پر رونق لوٹ آئے گی۔ یہاں تنہائی میں جان سوکھ گئی ہے۔''

نیلیما کا من تو بہت للچایا مگر اس اندیشے سے اچھا مار دی کہ یہ لوگ پیچھے جانے کیا کیا کتھا بنائیں گے اور کیا معلوم کہ کچھ آروپ لگا کے گھر کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیں۔ پھر اس ناگ لوک میں کس کس راکشس سے خود کو بچاؤں گی۔

نرملا نے دو ہزار روپے تھماتے ہوئے کہا:

''لو یہ، دیوالی کے دن بہنوں کے پاس کچھ لے کر جانا، بچے خوش ہو جائیں گے۔ اپنا خیال رکھنا۔ مجھے تمہاری چنتا کھائے گی۔ کچھ بپت ہو تو فون کرنا، میں ترنت آ جاؤں گی۔ اور اس طرح وقت بے وقت آنسوؤں کی جھڑی مت لگایا کر۔''

نرملا اپنے آنسو پونچھ کے چلی گئی۔

●

دن بھر پورے گاؤں میں ڈھول ڈھمکا اور رام رولا رہا۔ شام ہوئی تو دھڑا دھڑ پٹاخے پھوٹنے لگے۔ جھماکوں کی گونج سے اس کے کان جھنّانے لگے۔ سارا گاؤں جھمجھما رہا تھا۔ اندھیرے کمرے کی فضا جھمکڑوں سے جھلملا رہی تھی۔ اس پر بچوں کا چیخنا چلانا۔ جب کسی کا پٹاخہ چھنک جاتا[1] تو بچے غل مچا کر اُسے چڑاتے۔ ہر طرف قطار در قطار دیپ مالائیں جل رہی تھیں۔

دیوالی کی شام ــــ دیوالی جب رام چندر جی راون کو پراجیت کر کے بن باس کے بعد گھر واپس لوٹے تھے۔

پدما نے دروازہ کھول کر چوکھٹ پر ہی بتا دیا کہ وہ دوسری عورتوں کے ساتھ

---

(۱): چھنک جانا: بارود کم ہونے کی وجہ سے آتش بازی کا نہ چلنا۔

پھڑ(۱) پر جا رہی ہے اور گھر میں چندر کانت کے کچھ دوست آ رہے ہیں۔ بچوں اور باپ کو چندر کانت کی بہن کے یہاں ٹھکانے لگایا گیا ہے۔ اُس نے سانکل چڑھائی اور لیٹ گئی۔ کچھ دیر بعد چندر کانت کے دوست آنے لگے اور ٹولی جم گئی۔ شیکھر، بھوشن، سریش، موہن، راجیش سب نے آ کر ڈیرہ جمالیا۔ وہ اپنے کمرے میں خوف سے کانپ رہی تھی:

''کاش میں نے نرملا بھابی کی بات مانی ہوتی۔ مجھے بہنوں کے یہاں جانا چاہیے تھا۔ کیا پتہ وہ بھی کسی پھڑ پر گئی ہونگیں اور ان کے گھر میں بھی ___ ہے رام اب میں کیا کروں ___ کہاں جاؤں؟''

ادھر دوسرے کمرے میں شراب کا دور چلنے لگا۔ چندر کانت نے الماری سے تاش کی نئی گڈی نکالی۔ پتوں کو خوب اچھی طرح پھینٹ کر گڈی شیکھر کی طرف بڑھائی۔ اس نے گڈی کاٹ کر چندر کانت کو تھمائی:

شیکھر: تگّی۔

اور مانگ ___ پتے کا کھیل شروع ہوا۔

چندر کانت: یہ لے تیری تگّی۔

شیکھر: موہن! چل گڈی کاٹ۔

موہن: شیکھر! یار تو بڑا جوا چور(۲) ہے ___ بازی جیت کر بہانا

---

(۱): پھڑ: جوا کھیلنے کا اڈا۔

(۲): جوا چور: وہ جواری جو اپنا داؤں جیت کر کھسک جائے۔

بناتا ہے اور چمپت ہوجاتا ہے۔ ماں قسم آج اٹھنے نہیں دوں گا۔ نہلا دے۔

شیکھر: موہن تم بھی بڑی دیر تک داؤ گھاؤ (۱) نہیں بھولتے۔ یار! جوئے میں کبھی ہار کبھی جیت۔ یہ گیا تیرا نہلا۔

چندرکانت: موہن تو ہارو (۲) پیدا ہی ہوا ہے۔ چل سریش پتہ مانگ۔

سریش: دُگی۔ یہ پکا پھڑ باز نہیں۔ چل میری دُگی۔

شیکھر: یہ لے تیری دُگی۔

سریش: مانگ چندرکانت۔ آج کوئی دھیلا دمڑی (۳) کا بہانہ نہیں چلے گا۔

چندرکانت: ستا۔

سریش: یہ گیا تیرا ستا۔

چندرکانت: دت تیری کی۔ مگر مترو میری بوتل خلاص ہوگئی آگے کیا سادہ پانی پی کر گذارہ کرنا ہوگا۔

موہن: چنتا نہیں یار۔ شیکھر اپنے ساتھ دو بوتلیں لایا ہے۔ خوب پیو

---

(۱): داؤ گھاؤ: جوئے کی ہار کا رنج۔

(۲): ہارو: وہ شخص جو اکثر ہار جائے۔

(۳): دھیلا دمڑی: قلیل رقم۔

اور مزے کرو۔ چل سریش بادشاہ دے۔

سریش: بھابی کہاں ہے چندکانت؟

چندکانت: وہ بھی پھڑ پر ہی گئی ہے ___ موہنی کے گھر۔

راجیش: اور تیری بھابی؟ پنجی دے سریش۔

چندرکانت: اندر پڑی سو رہی ہے منحوس ___ دگی۔

چندرکانت کے مانگے ہوئے سارے پتے الٹے پڑ گئے۔ وہ سب پونجی ہار گیا تو ہاتھ اٹھا کر اعلان کر دیا۔

چندرکانت: یارو ہم سب ہار گئے۔ تم کھیلو۔

موہن: یہ لو۔ بھئی روز روز آدمی بازی نہیں جیتتا، کبھی ہارتا ہے، کبھی مگھم رہتا ہے(۱)۔ یہ لے دوسو، چل پتہ مانگ۔

چندرکانت سب داؤ ہارتا گیا۔ اُس نے جھنجلا کر شیکھر سے کہا:

چندرکانت: یار شیکھر! ایک ہزار تو دے ذرا، سالی قسمت آج نخرے دکھا رہی ہے۔

شیکھر: دیکھو ہار گئے تو ایک ہزار چکانے کی حیثیت ہے؟

سریش: کون سالا واپس کرنے کو کہتا ہے۔ گھر میں خزانہ ہے اور یہ اُلّو کا پٹھا بھکاریوں جیسا منہ بنائے بیٹھا ہے۔ دُگی۔

چندرکانت: میرے باپ نے کون سا خزانہ گھر میں گاڑ رکھا ہے

---

(۱): مگھم رہنا: جواریوں کی اصطلاح میں نہ جیتنا نہ ہارنا۔

کہ داؤ پر لگاؤں؟

موہن: ابے بوبک! بڈھسو نے نہ سہی چھوٹے بھائی نے تو رکھا ہے۔

چندر کانت: مطلب؟ چل چھکا دے۔

موہن: یہ لو، اب سالے کو مطلب بھی سمجھاؤ۔ گدرائے ہوئے پھل کو پھونس میں دبا کے رکھا ہے۔ اس پر کہتا ہے کیا مطلب۔

شیکھر: میں تو کہتا ہوں مال کو پال سے نکال دے۔ سالے چھاپڑی لگا دے۔ راج رچے گا بیٹھے بیٹھے۔

چندر کانت: حرامیو! وہ میری بھابی ہے۔ میرے چھوٹے بھائی کی گھر والی۔

سریش: تو تُو کون سا لکشمن ہے۔ بول؟

موہن: دیکھ تمہارا بھائی تو الا نگتے (۱) ہی گر گیا تمہیں چڑھیتا (۲) بنا کر چھوڑ دیا۔

چندر کانت: مگر مجھے ڈر لگتا ہے۔ یہ ویسی نہیں ہے۔

شیکھر: لو جی یہ سالا کانٹا پھینکنے سے پہلے ہی تریندے (۳) کی

---

(۱): الانگنا: چابک سواروں کی اصطلاح میں گھوڑے پر اول مرتبہ چڑھنا۔

(۲): چڑھیتا: وہ شخص جو دوسرے کے گھوڑے پر نوکر ہو۔

(۳): ترینداؔ: وہ ہلکی تیرتی ہوئی چیز جو مچھلی کے شکار کے لئے کانٹے سے کچھ اوپر لگا دیتے ہیں۔

جنبش دیکھنا چاہتا ہے۔

چندر کانت: اگر دھنی پر ہماری قسمت کھل گئی؟

سریش: کرلو بات۔ وہ گامڑا سے چھنٹیل (۱) بنا کر چھوڑ گیا اور ٹھو۔

موہن: چھنٹیل نہیں رے چھوچھی (۲) بنا کر بھاگ گیا۔ لکھ رکھو وہ کبھی واپس نہیں آئے گا۔

شیکھر: پردیسی بلم تیری آس نہیں۔ باسی پھولوں میں باس نہیں۔

راجیش: یار! پردیس پر یاد آیا۔ پردیس میں رہ کر پرسنگت سے بچنا آسان نہیں ہے۔ سُنا ہے دھنی کو پاپ روگ لگا ہے۔

چندر کانت: مگر اس نے جوراڑ مچائی تو۔ اور کل کو پنچایت جوڑ دی تو؟

موہن: ابے گھامڑ! پنچایت میں کون سے سدھانتی دھرم گیانی بیٹھ کر شاستروں کے مطابق نیاؤ چکاتے ہیں۔ الٹا دوش دھر کے اگر سالی کا سر نہ منڈوایا تو میرا نام نہیں۔ یار پنچایت ہم سے تھوڑی باہر ہے، کوئی نہ کوئی گھات تو سوجھے گی۔ اور پھر ہمیں ہاتھ پر سانپ کھلانا آتا ہے (۳)۔ جانتے نہیں بملا دیوی کا کیا حشر ہوا؟

---

(۱): چھنٹیل: باقی بچی ہوئی خراب چیز جس سے اچھا حصہ نکال لیا گیا ہو۔

(۲): چھوچھی: نے یا بانس کا کھوکھلا ٹکڑا۔

(۳): ہاتھ پر سانپ کھلانا: جان جوکھوں کا کام کرنا۔

چندرکانت: کون بملا دیوی؟

موہن: ارے منگل پور کی کلارن (۱)۔ گھر میں دارو کی بھٹی تھی۔ لوگ سانجھ ڈھلے جھنڈ بنا کے بیٹھتے تھے۔ آدھی رات کو کچھ متوال لڑکھڑا کے گھروں کو جاتے تھے کچھ دُھت ہو کر وہیں پڑے رہتے۔ بملا کا مرد شام کے بعد خود اپنے دوستوں کی سنگت میں محفلیں جماتا۔ کسی نے کان میں پھونک دیا کہ تیری جورو دارو پلانے کی آڑ میں دراصل دھندہ کرتی ہے۔ رام جانے ایک دن کیا دیکھا کہ زہر کھا کے کھیت رہا۔ دو دنوں تک کسی نے ارتھی کو کاندھا نہ دیا۔ بملا کے دیور نے باغان کی نوکری اور جائیداد دونوں کے بارے میں پنچایت میں عرضی ڈال دی۔ پنچوں نے سمجھایا کہ عرضی میں دم نہیں۔ پوری آنٹ سانٹ کر کے سالے نے ایک دن گاؤں میں موسلوں ڈھول بجایا کہ بملا دھندہ کرتی ہے۔ بس تو پھر کیا تھا۔ پنچوں کے آدیش سے انگیا اور پیٹی کوٹ میں پورے گاؤں کی گلیوں میں ہنکایا گیا۔ پنچوں نے اتیا چار کر کے مکان کا حصہ بیٹیوں کے نام کیا۔ باغان کے مالک کے پاس پشو کی طرح باندھ کے لے گئے اس نے کہا دفع کرو اس رنڈی کو۔ ایسی لنڈی کی یہاں ضرورت نہیں۔ اس طرح دیور نے باغان کی نوکری ہتھیا لی۔ سنا میرے یار! اسی لئے کہتا ہوں کہ ایک بار اس بگ چھٹ (۲) کو میرے آسن تلے آنے دو، پھر

---

(۱): کلارن: زنِ مے فروش۔

(۲): بگ چھٹ: وہ گھوڑا جس کی باگ سوار کے ہاتھ سے چھوٹ گئی ہو۔

دیکھنا کیسے دم چنور کر کے پڑا پڑ دلکی چال چلے گی۔ بول کیا باؤ بتا تا ہے؟''

نیلیما یہ سب سن کر کانپ اٹھی۔ اس نے نیفے سے دوہزار روپے نکالے۔ دروازے پر جیٹھ کو آواز دی۔ روپے دے کر اس کے پاؤں پکڑے اور ہاتھ جوڑ کر بنتی کی:

''جیٹھ جی! تمہیں سیارام کی سوگند۔''

پھر چندر کانت نے پے در پے داؤ جیت لئے۔ موہن نے پلیٹ پر سگریٹ کی راکھ گراتے ہوئے پوچھا:

موہن: چندر کانت! دھنی تو آنے سے رہا۔ تو کب تک یہ بوجھ سر پر اٹھاتا پھرے گا ____ اس سے کوئی کام دھندہ کیوں نہیں کراتے۔

چندر کانت: کوشش کر کے تھک گیا ہوں؟

شیکھر: پھر تو اس ان بدھی سوئی (ا) کا کیا کرے گا؟

موہن: شیکھر! ان بدھی سوئی سے کانٹا تو نکالا جا سکتا ہے نا۔ بول چندر کانت میرے للا۔

ایک بھیانک قہقہہ کمرے میں گونج اٹھا۔

●

پدما لڑکھڑاتے ہوئے گھر لوٹی تو منڈلی اُٹھ گئی۔ سب لہراتے بڑبڑاتے اپنے اپنے گھروں کو سدھارے۔ کچھ ہی دیر میں سناٹا چھا گیا۔ دہشت سے

(ا): ان بدھی سوئی: وہ سوئی جس کا سوراخ نہ ہو۔

نیلیما کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ پدما خراٹے لینے لگی۔ آدھی رات تھی کہ اچانک نیلیما کوئی آواز سن کر چونک اٹھی۔ جھنجھری سے چاندنی چھن کر آ رہی تھی۔ کمرے میں دھندلی دھندلی روشنی تھی۔ اُسے لگا جیسے کوئی باہر سے کوئی کسی دھار والے اوزار کی نوک سے دروازے کی سانکل اٹھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ مارے ہول کے اس کلیجہ تھرتھرانے لگا۔ دہشت سے زبان سوکھ گئی۔ ہلکی سی چرمراہٹ کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔ کمرے میں ایک خوفناک سایہ گھس گیا جو چل کر نیلیما کی پائینتی کھڑا ہو گیا۔ کچھ سرسراہٹ ہوئی۔ سایہ جھک کر نیلیما پر سوار ہونے لگا۔ اُس نے تھرتھراتے ہاتھ سے سرہانے کے نیچے رکھی ہوئی ٹارچ اٹھائی۔ روشنی کا ایک فوارہ سائے کے چہرے پر پڑ گیا۔ کانپتے ہاتھ سے ٹارچ گر گئی اور تیز روشنی کا ایک دھارا فرش سے بہہ کر کونے میں جا کر تھم گیا۔ سایہ اپنی لنگی اٹھا کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ نیلیما نے اٹھ کر کھڑکی کھول دی۔ رات بھیگ چکی تھی۔ روشنی کے دھارے میں ساری رات ذرّے چمکنے لگے۔

جیسے ہر رات کی صبح ہوتی ہے ویسے ہی اس بھیانک رات کی بھی صبح ہو گئی۔ پو پھٹتے ہی اس نے اپنا سامان سمیٹنا شروع کیا۔ دونوں میاں بیوی جانتے تھے کہ وہ جا رہی ہے۔ شاید ہمیشہ کے لیے۔ اُسے روکنے کا حق کسی کو نہ تھا۔ وہ گلی میں تھی کہ پدما نے پیچھے سے آواز دی:

"رُک جاؤ نیلیما!"

اس نے سامان نیچے رکھا اور منہ دوسری طرف کر کے کھڑی ہو گئی۔

پدما نے باہیں پھیلا کر اُسے گلے لگایا۔نیلیما نے اپنی بے حس باہوں کو جنبش بھی نہ دی۔ پدما کی آنکھوں میں آنسو تھے:

''بہن! اپنے جیٹھ کو معاف کرنا۔ میں نے بھی دھنی کو معاف کیا تھا۔ جا بھگوان تمہیں سُکھی رکھے۔ چھما کرنا اس گھر میں تم پر بڑے اتیاچار ہوئے۔''

نرملا دیوی پہلی ٹرین پکڑ کے کلکتے سے روانہ ہوگئی۔

●

ایک تو گھاتک کال راتری (۱) کی بھیانک واردات کے گہرے صدمے نے جگر ہلا کر رکھ دیا تھا اس پر گوبردھن (۲) سے کڑاکے کے فاقوں نے نیلیما کے تن سے جان نچوڑ کر رکھی تھی۔ نرملا دیوی نے گھر کا دروازہ کھولا۔ برآمدے میں سامان رکھوا دیا۔ کھڑے پانی بھی نہ پیا، الٹے پیروں پسینہ پونچھتے پونچھتے نیلیما کی خبر لینے دوڑی۔ نیلیما کی دُردشا دیکھ کر اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ دھنسی ہوئی آنکھیں جو چھت کو لگ گئی تھیں۔ مرجھایا ہوا چہرہ جو اتنا سا نکل آیا تھا۔ زرد ماتھے پر پسینے کی چھوٹی چھوٹی بوندیں۔ گالوں کی جگہ دو ابھری ہوئی ہڈیاں جن کے نیچے

---

(۱): کال راتری (ہندی) موت کی رات، قیامت کی رات، دیوالی کی رات۔

(۲): گوبردھن (ہندی) ہندوؤں کا وہ تیوہار جو دیوالی کے دوسرے دن منایا جاتا ہے۔

نیلیما کی اصلی شباہت کہیں دب کر رہ گئی تھی۔ تین دن کے نرجلے (۱) سے ہونٹوں پر پپڑی جم گئی تھی۔ پھول سا بدن سوکھ کے ڈھچر ہو گیا تھا۔ نرملا کو ایک آن کے لیے لگا کہ نیلیما کا منکا ڈھل چکا ہے۔ وہ کب کی سدھار چکی ہے اور لوگ صدمے سے نڈھال ارتھی کا انتظار رہے ہیں۔

بچے دم بخود تھے۔ بہنوں نے نرملا کو مایوس نظروں سے دیکھ کر آنسو پونچھ لئے۔ بہنوئی مردوں کے ساتھ دوسرے کمرے میں کچھ کھسر پھسر کر رہے تھے۔ نانی اضطراب میں منکا پھیر رہی تھی۔

نرملا کی آنکھوں میں باڑ آ گئی۔ اُس نے نیلیما کے چہرے پر ہاتھ پھیر کر کچھ کہنا چاہا مگر الفاظ اس کی ہچکیوں میں کہیں کھو گئے۔ نیلیما کچھ بڑبڑانے لگی۔ زبان اس قدر لڑکھڑا رہی تھی اور بول اتنے مدھم تھے کہ نرملا نے اس کے منہ میں کان دے کر بات سنی:

"بھابی! اتنی دیر لگا دی؟ اب آئی ہو۔ جب میں جا رہی ہوں۔"

اُس نے مٹھی کھول کر لرزتا ہوا ہاتھ نرملا کی طرف بڑھایا:

"بھابی ایک احسان آخری کرنا مجھ پر۔ اس نمبر پر فون کر کے بتانا کہ نیلوفر نہیں رہی۔"

نرملا نے پرچی کھولی۔ نمبر دیکھا اور ماتھا پیٹتے ہوئے بولی:

"میں انہیں یہ منحوس خبر کیسے دوں کہ جس کی جان اور عزت کا صدقہ آپ

---

(۱): نرجلا (ہندی) ہندوؤں کا وہ برت جس میں پانی بھی نہیں پیا جاتا۔

اب تک اتارتے رہے۔آپ کی وہ نیلو____"

وہ دھاڑتے ہوئے رونے لگی۔یہ سوچ کر کہ شاید نیلیما نے پران تیاگ دیئے، دوسرے کمرے سے مرد دوڑ کر آئے۔نیلیما کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو کنپٹیوں سے ہو کر سرہانے میں جذب ہو رہے تھے:

"بھابی!تم کیسے جانتی ہو کہ وہ مجھے پیار سے نیلو____"

یہ بڑبڑاتے ہوئے اس کی سانسیں اکھڑنے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے گردن ایک طرف لڑھک گئی۔سارے گھر میں بھاگڑ پڑ گئی۔اس ہنگامے اور افراتفری میں نرملا نے نیلیما کی نبض ٹٹولی اور چلا کر بنسی سے کہا:

"بھیا!ذرا ٹیکسی لے کر آؤ____ ترنت ترنت۔"

●

ٹھیک پانچ مہینے بعد نرملا کو خط ملا۔اُس نے لفافہ کھولا، اندر ایک تصویر اور مختصر سا خط تھا۔تصویر دیکھ کر نرملا دیوی کی آنکھوں سے بے تحاشا آنسو بہنے لگے۔یہ خوشی اور شادمانی کے آنسو تھے۔اُس نے خط پڑھنا شروع کیا:

"نرملا بھابی! اُپکار کی دیوی!!

تم نے میری جان اور عزت بچانے کے لیے جو مدد پاپا جی کی ہے، اس کے لیے وہ بے حد شکر گذار ہیں۔وہ خود شکریہ ادا کرتے مگر تم نے میرے روانہ ہوتے ہی جانے کیوں اپنا موبائیل نمبر بدل دیا۔پاپا نے جلپور کے اس پولیس آفیسر سے بھی رابطہ کرنا چاہا جن کی مدد سے وہ پولیس کے خبری شنکر بھنگیرے تک پہنچنے میں کامیاب

ہوئے مگر بدقسمتی سے ان کی بدلی کہیں دور ہو چکی ہے۔تم نے بتایا نہیں کہ پاپا شنکر کے ہتھے چڑھ چکے تھے۔ معلوم نہیں تم نے کیسے شنکر سے یہ بھید جان کر پاپا جی کا نمبر حاصل کیا۔ میرے علاج کے خرچے کے لیے تم نے سونے کے کنگن بیچے۔ یہ سن کر پاپا کو بڑا دکھ ہوا۔ تمہیں وقت پر انہیں خبر دینی تھی، اور پھر اپنا بنک کھاتہ بند کروا کے تم نے پاپا جی کو ہمیشہ کے لیے مقروض بنا دیا۔

اے ہاں یہ تصویر خاص تمہارے لیے کھینچوائی ہے۔ چنار کے نیچے، یہ ہماری فیملی ہے، میں، اماں جی اور بھیاجی۔ پاپا تصویر کھینچ رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ تم بھی یہیں چلی آؤ، فوراً ___ گھر چھوٹا ہے مگر دل بڑے ہیں''۔

تمہاری چھوٹی

نیلو

نرملا نے تصویر کو چوم کر الماری میں رکھا:

''خوش رہو چھوٹی، مگر میں کیسے یہاں سے نکل سکتی ہوں، کیا پتہ کل کوئی اور نیلیما اس اڑبنگے میں ___ '' وہ منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔

فروری میں دھنی رام پھر گاؤں آیا۔ وہ یوں دندناتے پھرنے لگا جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ اس بار اُس نے سبز رنگ کی نئی لنگی پہنی تھی۔ ایک روز نرملا کے دروازے پر دستک دی۔ نرملا نے دروازہ کھولا۔ دھنی گڑگڑانے لگا۔ نرملا نے اس کے منہ پر تھوک کر دروازہ بند کیا۔ دھنی نیچے بیٹھا اور لنگی کے دامن سے منہ صاف کیا۔ کئی دن آوارہ پھرنے کے بعد پھر سے روانہ ہوا۔ جس دن وہ گیا اسی دن پانچ کوس دور ایک

گاؤں سے کسی غریب کسان کی جوان بیٹی لاپتہ ہوگئی۔نرملا نے سُنا تو وہ بھونچکی رہ گئی:

''اُس حیوان کے منہ کو خون لگ گیا ___ ہے بھگوان دھرتی کی سنتان کب نشٹ ہوگی۔''

(تمام شُد)

اظہارِ تشکر

جناب شمس الرحمٰن فاروقی صاحب کا شکریہ جنہوں نے میری تخلیقات کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا اور قدم قدم پر میری حوصلہ افزائی فرما کے مجھے آگے بڑھنے کی ہمت بخشی۔نیلیما کے بارے میں ان کے ارشادات نے مجھے اور نیلیما دونوں کو وقار عطا کیا۔

پروفیسر ابوالکلام قاسمی صاحب کا شکریہ جنہوں نے نیلیما کو نہایت توجہ سے پڑھا اور اپنے تاثرات سے سے نواز کر میری حوصلہ افزائی فرمائی۔

جناب محمد حمید شاہد کا شکریہ جنہوں نے ۲۰۱۶ کی قابلِ ذکر کتابوں پر اظہارِ خیال کرتے وقت نیلیما کو قابلِ اعتنا سمجھ کر میری تخلیق کو شرف بخشا۔

پروفیسر قدوس جاوید کا شکریہ جو اپنی ساری مصروفیات کو بالائے طاق رکھ کر میرے غریب خانہ پر تشریف لائے اور نیلیما کو حرف حرف پڑھ کر نہ صرف قیمتی مشوروں سے نوازا بلکہ اپنے خیالات بھی مرحمت فرمائے۔

جناب رفیق راز اور ڈاکٹر نذیر آزاد کا شکریہ جنہوں نے نیلیما کی تخلیق کے دوران جگہ جگہ پر میری راہنمائی کی اور اپنے خیالات سے بھی نوازا۔

جناب نذیر فتح پوری کا شکریہ جنہوں نے نہ صرف نیلیما پر ایک قومی سیمینار میں پرچہ پڑھا بلکہ اس پر ایک کتاب بھی تصنیف کی۔

جناب پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی، جناب نور شاہ، جناب ڈاکٹر ظفر ہاشمی، جناب ڈاکٹر ظفر سرونجی، جناب افتخار امام صدیقی، جناب وحشی سعید، جناب خالد حسین، پروفیسر ایاز رسول نازکی کا شکریہ جن کے خیالات سے نیلیما کو شرف حاصل ہوا۔

ڈاکٹر نذیر آزاد کا کہ انہوں نے اپنے مشوروں سے نوازنے کے علاوہ اپنی رائے بھی عنایت کی۔

ڈاکٹر گلزار احمد پڈر کا شکریہ جو میری تخلیقات کے ساتھ دیوانگی کی حد تک محبت کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے تاثرات مرحمت کر کے بڑی نوازش کی۔

ڈاکٹر مشتاق احمد وانی کا شکریہ جنہوں نے نیلیما کو قدر کی نگاہ سے دیکھ کر اپنے ارشادات سے نوازا۔

ڈاکٹر مشتاق حیدر کا شکریہ کہ نہایت پر مغز مضمون عنایت کیا۔

ریحانہ ختر کا شکریہ کہ انہوں نے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی مجھے گھریلو ذمہ داریوں سے دستبردار کر دیا۔ میری تخلیقی کاوشوں پر ریحانہ کا بارِ احسان ہمیشہ رہے گا۔

سب سے بڑھ کر شکریہ مغربی بنگال کی ان سب آدی واسی بیٹیوں کا جنہوں نے ہمارے گھر میں کام کیا:

بنو:

کچھ ہی عرصہ ہمارے گھر میں رہی۔ بعض ناگزیر وجوہات کی بناء پر اسے واپس کرنا پڑا۔ اس کے ساتھ پیش آنے والے حادثے نے میرے ذہن کو جھنجوڑ کے رکھ دیا اور آدی واسی معاشرے میں عورت کی دردشا کے بارے میں غور کرنے پر مجبور کیا۔

للِتا:

نہایت کم گو، کم آمیز مگر محنتی، مفلس والدین کے پاس بیٹی کے بیاہ کے لیے دھن نہ تھا۔ یہ بھاگ کر نہیں بلکہ مندر میں شادی کرنا چاہتی تھی۔ اس رسم کے مصارف پورا کرنے کی غرض سے خود کمائی کرنے گھر سے نکلی۔

آشا:

نویں جماعت میں نامساعد حالات کی وجہ سے پڑھائی چھوڑ دی۔ باپ باغان میں مزدور تھا جسے شراب اور دیگر اخلاقی برائیوں نے ایسا نکمہ بنا دیا کہ کھاٹ سے چمٹ گیا۔ مشکل سے ماں کو یہ نوکری ملی۔ گھر میں چولہا جلے یا نہ جلے، شراب کی بوتل ضرور آتی ہے، گئی تھی پیسہ لے کر سکول جانے مگر شادی کی اور باغان میں نوکری کرنے لگی۔

مینو:

جلد ہی معلوم ہوا کہ پہلے پتی کو چھوڑ کر کسی اور کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔ دو کم سن بیٹیوں کو ان کے دادا کے پاس چھوڑ کر آئی تھی۔ اکثر فون پر روتی تھی۔ کھود کھود کر پوچھا تو پوری کہانی بیان کی۔ بڑی مشکل سے اسے واپس بھیجا۔

انیما اوراؤں بنتِ سورگیہ نندواوراؤں موضع کٹھل گڈی ضلع جلپائی گڈی

ہمارے گھر میں ڈھائی سال رہی۔ اس لڑکی کو ہم نے بیٹی سے زیادہ درجہ دیا۔ حق یہ ہے کہ اس کے ہوتے ہمیں کبھی بیٹی کی کمی محسوس نہ ہوئی۔ چھٹی پر گئی تھی۔ گھر میں حادثہ پیش آیا جس کی وجہ سے واپس نہ آسکی۔ اس کہانی کا تانا بانا بننے میں میری بڑی مدد کی۔ بے باکی کے ساتھ واقعات بیان کئے۔

کویتاتر کی بنت سورگیہ روپیش تر کی موضع نیا سیلی ضلع جلپائی گڈی:

نہایت ذہین، باشعور اور قابل لڑکی ہے۔ آدی واسی سماج کے قبائح سمجھنے میں میری سب سے زیادہ مدد کی۔ اس کا بھی ایک المناک قصہ ہے جس کا ہلکا سا اشارہ میں نے اس کہانی میں دیا ہے۔ بڑی بے باکی کے ساتھ اپنے سماج کی برائیوں سے پردہ اٹھایا۔ خدا سلامت رکھے، اس نے میری بہت مدد کی ہے۔

شکریہ اُن کا بھی جنہوں نے اپنی پہچان مخفی رکھنے کی خواہش ظاہر کی:

کلکتہ کی دو مشہور لیڈی ڈاکٹر:

ان مہربان بیبیوں نے فون پر گفتگو کے دوران آدی واسی عورتوں کے خفیہ امراض کے بارے میں حیرت ناک انکشافات کئے۔ جن قارئین کی رسائی عربی زبان کے ایک لفظ ''مُفضات'' کے معنی تک ہوگی وہ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آدی واسی عورتیں کس دردناک صورتحال سے دوچار ہیں۔

کشمیر میں خدمتگار فراہم کرنے والی ایک نمایاں ایجنسی:

Comfort Vision: Placement and Secuirty Service کے

مینجنگ ڈائرکٹر اور اپنے عزیز دوست عرفان احمد شاہ کا شکریہ:

ان کی مدد سے میں چند ایسی آدی واسی لڑکیوں سے بات کرنے میں

کامیاب ہوا جو اس وقت کشمیر میں کام کر رہی ہیں۔ اکثر لڑکیوں کا کہنا ہے کہ مرد ایجنٹ سفر کے دوران کئی طرح سے ان کا استحصال کرتے ہیں۔ یہ حقیقت المناک ہے کہ ان خدمتگار لڑکیوں کی سال بھر کی کمائی میں سے ایجنٹ اور ایجنسی اپنا کمیشن کاٹ کر نہایت قلیل رقم اُن کے ہاتھ میں تھماتے ہیں۔ اکثر لڑکیاں ایسی ہیں جو پہلے بھی کشمیر میں کام کر چکی ہیں اور آئندہ بھی یہاں کام کرنے کی متمنی ہیں۔ میں ان لڑکیوں کا بھی شکر گذار ہوں۔

آدی واسی عورتیں:

مغربی بنگال کی چند آدی واسی عورتوں سے بمشکل فون پر میری گفتگو ہوئی۔ اس عمل کے دوران مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ آدی واسی عورتیں مشکل سے ''باہر والوں'' پر بھروسہ کرتی ہیں۔ آدی واسی لوگ غیر آدی واسی کے لیے باہر والا یعنی Outsider کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ مجھے اس بات کا بھی علم ہوا کہ آدی واسی مردوں نے اپنی عورتوں کو اقتصادی سطح پر کئی حقوق سے محروم رکھا ہے۔ لگ بھگ تمام آدی واسی عورتیں اپنے مردوں سے اس بات پر نالاں ہیں کہ گھر گرہستی کا سارا بوجھ ان کے کمزور کندھوں پر ڈال کر خود گلچھرے اُڑاتے ہیں۔ میں ان بیبیوں کا بھی شکر گذار ہیں۔

شکر یہ ریختہ کا جس کی ویب سائٹ نے نیلیما کو قارین کے لئے میسر رکھا۔ آخر پر شکر یہ گوگل انڈیا اور یوٹیوب کا جن سے میں نے کافی استفادہ کیا ہے۔

मैं कुछ कहना चाहती हूँ

मैं सबसे पहले मैत्रेया जी को
धन्यवाद कहना चाहती हूँ जिन्होंने
हम आदिवासी के बारे में सोचना
शुरू किया है, खास कर हम
आदिवासी औरतों के बारे में जो
ये किताब इन्होंने लिखे हैं, उसपर मैं
उस सब, आदिवासी औरतों की
तरफ से जो किसी ना किसी तरह से
जुल्म का शिकार हैं।
शुक्रिया अदा करती हूँ।
मुझे आशा है, की इस किताब से
हमारे आदिवासी समाज में खास कर
औरतों की हालत बदल जाएगी मैं अपने
आप को खुशकिस्मत मानती हूँ
जो इतने बड़े आदमी के घर में काम
करती हूँ। मैत्रेया जी एक बड़े लेखक
होने के साथ साथ इन्सान बहुत ही

अच्छे इंसान भी हैं। आज के जमाने में
किसी आदिवासी लड़की को बेटी बनना और
उसकी मदद करना बड़ी बात है। मैं उस सब
आदिवासी लड़कों को बधाई देती हूँ, जिन्होंने
भैयाजी के काम किया है।

(कविता लिंडा
एक आदिवासी
लड़की)

3/09/2015

''ڈاکٹر شفق سوپوری دنیا کے لیے چاہے کتنے بڑے قلم کار ہوں مگر میرے لیے وہ میرے فادر ہیں۔ وہ ایک پتا کی طرح میرا خیال رکھ رہے ہیں۔ ان کے ہوتے میں اپنے آپ کو اناتھ نہیں سمجھتی۔ مجھے خوشی ہے کہ یہ کہانی لکھنے میں، میں نے ان کی مدد کی۔ میں چاہتی ہوں کہ میرے پتاجی اور میری کوشش سے آدی واسی عورتوں کو وہ مان سمان اور آدر ملے جس کی وہ حقدار ہیں۔''

انیما اوراؤں

(ایک آدی واسی لڑکی)

مصنف کی تصانیف

- دلِ خاک بسر (غزلیات)
- بیتے موسموں کے دکھ (نظمیں اور گیت)
- دشت میں دور کہیں (غزلیات)
- ریشم سراب خواب (غزلیات)
- اردو غزل اور ہندوستانی موسیقی (تنقید و تحقیق)
- موسیقی، شاعری اور لسانیات (تحقیق)
- مخزنِ موسیقی (تحقیق)
- کلامِ فیض کا عروضی مطالعہ (تحقیق)
- جہات (تنقید)
- غ۔م طاؤس: فن اور شخصیت (تنقید و تحقیق)
- نیلیما (ناول)
- فائرنگ رینج: کشمیر ۱۹۹۰ء (ناول)
- موسیٰ (ناول)
- شگفتانے (طنز و مزاح)
- اشاریہ ''شیرازہ اردو'': جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز۔ (تحقیق)

فکشن لکھنے والے ناول اور افسانے تو لکھتے ہی رہتے ہیں مگر جب ایک معروف شاعر، شاعری کے ساتھ ناول کی صنف میں بھی طبع آزمائی کرنے کی کوشش کرے تو سمجھنا چاہیئے کہ ع ''کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیاں کے لئے'' کا مرحلہ درپیش ہے۔ شفیق سوپوری کے ناول ''نیلیما'' کے مطالعہ اور تفہیم کے لئے اس پسِ منظر کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ایسا لگتا ہے شاعری جس طرح زمان ومکان کی حد بندیوں سے بلند ہونے کا تقاضا کرتی ہے، فکشن میں اسی شدّت کے ساتھ زمانی اور زمینی حوالوں سے وابستہ ہونا لازمی ہے۔

نیلیما میں موضوع کے اعتبار سے یوں تو آدی واسی عورتوں کے مسائل کی طرف توجہ مبذول کی گئی ہے اور ان مسائل پر مبنی کہانی کو دلت ادب کے نقطۂ عروج پر پہنچانے کی کوشش ملتی ہے مگر یہ اچھوتا موضوع اس لئے اہم ہوجاتا ہے کہ شفیق سوپوری نے اس ناول کی زبان میں لچک اور بیان میں جو انوکھاپن روا رکھا ہے وہ اُردو کے بیشتر ناولوں میں ناپید ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ معاصر ناولوں کے مقابلے میں نیلیما جیسا ناول مختصر ہونے کے باوجود قاری کے ذہن پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ شفیق سوپوری جہاں اپنی شاعری میں بعض ماورائی کیفیات سے گزرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں وہیں وہ اپنے ناول میں حد درجہ حقیقت پسند اور حقیقت نگار بن جاتے ہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ حقیقت پسندی اگر جمالیاتی تجربے کا روپ اختیار کرے تو صحیح معنوں میں کوئی اہم اور غیر معمولی ادبی شہہ پارہ وجود میں آتا ہے۔

میرا اندازہ ہے کہ نیلیما اپنے موضوع، اپنے برتاؤ اور اپنے بیانیہ کی تکنیک کے باعث اُردو ناولوں کی بھیڑ میں اپنی انفرادیت ضرور منواتا رہے گا۔

پروفیسر ابوالکلام قاسمی

ISBN 978-93-5073-748-4
978-93-5073-748-4
www.ephbooks.com

EDUCATIONAL
PUBLISHING HOUSE
New Delhi , INDIA